لکھنؤ

# تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

## ندوۃ العلماء کا پیغام

ہم مسلمانوں کی اس ملک میں بہت بڑی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری علماء دین اور علم دین کے مرکزوں پر بطور خاص عائد ہوتی ہے، علماء دین کی حیثیت صرف اس بحر تلاطم کے خاموش تماشائی کی نہیں، اس باہمت اور حوصلہ مند ملاح کی ہے جو موجوں سے کھیلنا اور ہوا کے رُخ کے خلاف کشتی چلانا جانتا ہے اور کامیابی اور ناکامی کی پرواہ کے بغیر اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

آج مغربیت ولادینیت بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں حیوانیت وشہوانیت کے اس متلاطم سمندر میں اسی ملاح کی ضرورت ہے، ہماری یہ کشتی جس پر ہماری طویل تاریخ کا بیش قیمت سرمایہ ہے، آج برابر ہچکولے کھارہی ہے اور اس پر جو لوگ سوار ہیں، وہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں: ”یا تو کھانے پکانے میں مشغول ہیں یا گانے بجانے میں مصروف یا اچھی جگہ حاصل کرنے کے لیے آپس میں دست وگریباں“۔

ندوۃ العلماء کے (جس کا مقصد شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ وہ زندگی سے کنارہ کش ہونے کے بجائے زندگی کی رہنمائی کرے) فرزندوں سے حالات کا مطالبہ ہے کہ وہ اس عالمگیر طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لیں اور ندوہ کے اس قدیم اور زریں دور کی یاد اپنے قول وعمل سے پھر تازہ کردیں جس نے ایک بار ہندوستان کے طول وعرض میں ایک نئی روح پھونک دی تھی اور اس کو فکر وعمل اور تعلیم وتربیت کے میدان میں ایک نئے دور عہد آفریں تجربے سے آشنا کیا تھا۔

آج ندوۃ العلماء کا یہی پیغام ہے اور نہ صرف اہل ندوہ، بلکہ تمام اہل مدارس، مسلم نوجوانوں، قومی کارکنوں، ملت کے دردمندوں اور انسانیت کے تمام دوستوں اور بہی خواہوں کے نام ہے۔

مولانا سید محمد الحسنیؒ

سالانہ زرتعاون -/250

۱۰/دسمبر ۲۰۱۲ء

فی شمارہ =/12₹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

جلد نمبر ۵۰ | ۱۰/دسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۲۵/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ | شمارہ نمبر ۳

۱۰۵۵۱
۱/۸۱۲۶۵
جرائد

## اس شمارے میں

**شعروادب**
الٰہی خیر ہو اپنے ہوئے جاتے ہیں بیگانے — مولانا محمد احمد پھولپوریؒ — ۲

**اداریہ**
ہماری زندگی کے دو اہم پہلو — شمس الحق ندوی — ۳

**مثالی حکمراں**
حضرت عمر فاروقؓ کی جامعیت کمالات — علامہ شبلی نعمانیؒ — ۵

**نقطۂ اعتدال**
تبلیغ دین کے لیے ایک اصول — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ — ۷

**کاروان ادب**
ادب کی طاقت اور رابطہ ادب اسلامی — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۱۱

**کارنبوت**
تبلیغی دعوت اور مسلمان — مولانا محب اللہ لاری ندویؒ — ۱۴

**فکر معاصر**
اسلام کا خوف، اسباب اور حل — مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی — ۱۷

**اصلاح معاشرہ**
زبان کا استعمال — مولانا مفتی محمد تقی عثمانی — ۱۹

**روشن کرنیں**
اسلام میں حدیث وسیرت کی اہمیت — سید کمال اللہ بختیاری ندوی — ۲۲

**فقہ و فتاویٰ**
سوال وجواب — مفتی محمد ظفر عالم ندوی — ۲۶

**جہان مسلم**
تاجکستان میں اسلام اور مسلمان — اقبال احمد خان — ۲۷

**خبر و نظر**
عالم اسلام — جاوید اختر ندوی — ۳۰

**زیر سرپرستی**
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

**زیر نگرانی**
مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

**مدیر مسئول**
شمس الحق ندوی

**نائب مدیر**
محمود حسن حسنی ندوی

**مجلس مشاورت**
● مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا خالد ندوی غازی پوری
● نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

**ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ**
Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

| | | |
|---|---|---|
| سالانہ زرتعاون -/250 | فی شمارہ -/12 | ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لیے 50$ |

All CBS Payable Multicity Cheques

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھ لیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھیے۔ (منیجر تعمیر حیات)

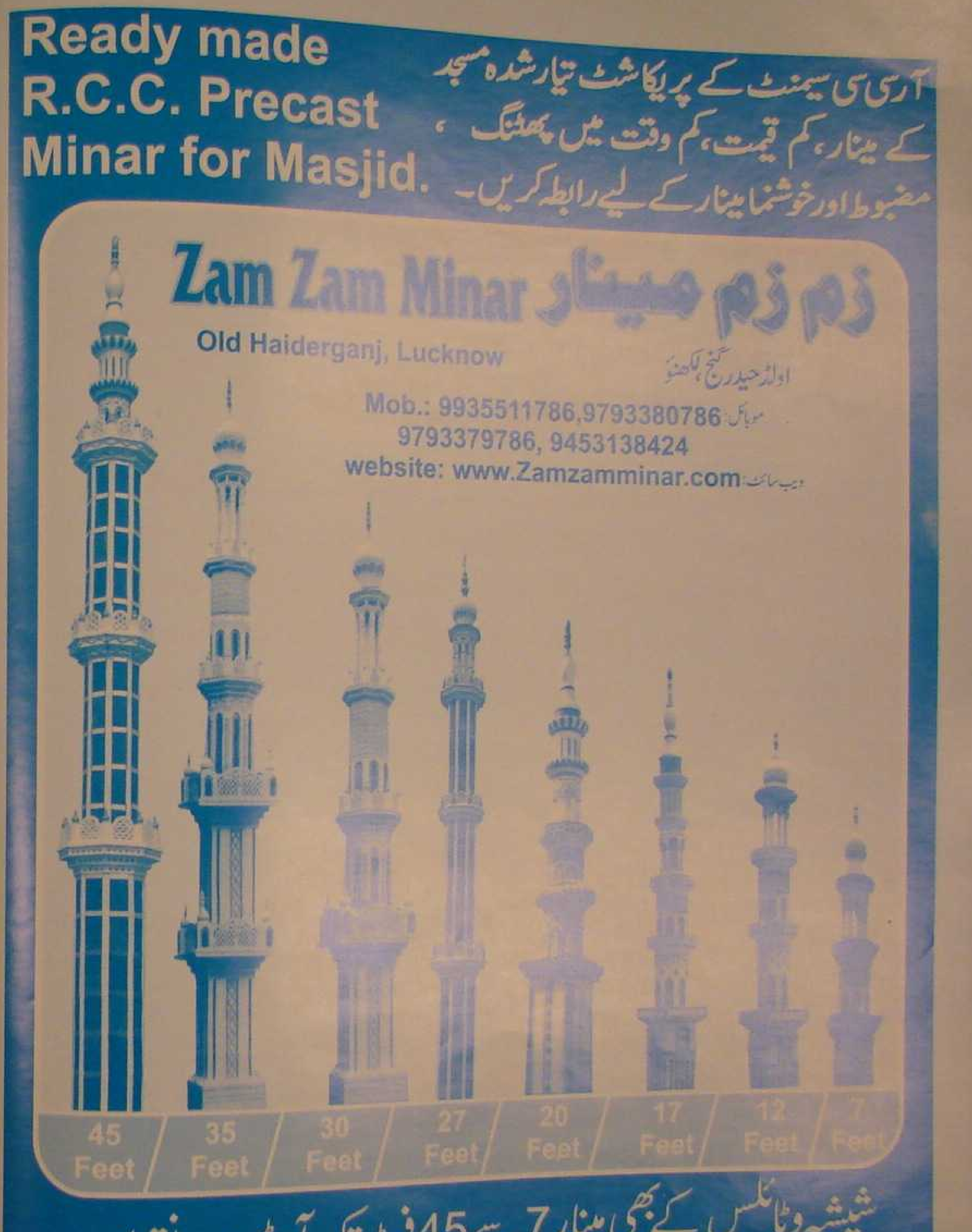

شعروادب

# الٰہی خیر ہو اپنے ہوئے جاتے ہیں بیگانے

مولانا محمد احمد پھولپوریؒ

بدل جائیں نہ کیوں آخر محبت کے اب افسانے
جو دیوانے تھے احمدؔ! ہوش میں وہ بھی لگے آنے

کرم سے ان کے جو شمع محبت کے تھے پروانے
پتہ ملتا نہیں ان کا کہاں ہیں اب خدا جانے

سنانے ہم لگے جس وقت جانبازوں کے افسانے
سر محفل لگے آخر سخن سازوں کو غش آنے

نہیں معلوم کیا انجام ہو اس کا خدا جانے
غضب ہے آج محفل میں نہ شمعیں ہیں نہ پروانے

سنائیں ہم کسے آخر محبت کے اب افسانے
الٰہی خیر ہو اپنے ہوئے جاتے ہیں بیگانے

جو محروم محبّت ہیں غضب ہے کیا قیامت ہے
تری محفل سے اٹھ کر جا رہے ہیں دل کو بہلانے

محبت کی کسوٹی پر حقیقت ہوگئی عریاں
جو کہلاتے تھے دیوانے وہ نکلے ہائے فرزانے

نظر رکھتے ہوئے بھی جو ہیں محروم نظر احمدؔ
وہ چاہے اور کچھ بھی ہوں نہیں ہیں تیرے دیوانے

☆☆☆☆☆



اداریہ

# ہماری زندگی کے دو اہم پہلو

شمس الحق ندوی

ہم غور کرتے ہیں تو یہ ناقابل انکار اور روز روشن کی طرح عیاں حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں، ایک پہلو تو پیدائشی اور فطری ہے جو ہر انسان میں یکساں پایا جاتا ہے اور از خود اس پہلو کو اپنانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، کسی تحریک وترغیب اور دعوت وتشویق کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں پیش آتی، انسان اس کو از خود اپناتا اور اس کے تقاضے کو پورا کرتا ہے بالکل اس طرح جس طرح پانی ڈھال کی طرف بہتا ہے یا پودا اوپر کی طرف بڑھتا ہے، یہ پہلو ہے انسان کی طبعی ضروریات وبشری تقاضوں کا، جیسے کھانے پینے اور زندگی گذارنے کے دوسرے اسباب ووسائل کے حصول کا فکرمند ہونا اور اس کے لیے بلا کسی دعوت وترغیب کے کوشش کرنا، زندگی کا یہ پہلو مومن وکافر سب کے لیے یکساں ہے، اس میں کفر وایمان کا کوئی فرق وامتیاز نہیں، سارے طبعی تقاضے مومن وکافر سب میں یکساں پائے جاتے ہیں، یہ وہ پہلو ہے کہ اس کے لیے کوئی ادارہ قائم کرنے، لوگوں کو کمانے اور حصول رزق کے لیے، دیگر اسباب معاش کو اپنانے کے لیے کوئی تحریک چلانے کی ضرورت نہیں، اس کا احساس وجذبہ انسان میں پیدائشی پایا جاتا ہے، ہر انسان از خود اس پر عمل کرتا ہے۔

دوسرا پہلو ایمان کا پہلو ہے، یہ خاص ہے مومن بندوں کے ساتھ، اس پہلو کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق سے احکام لے اور اس پر عمل کرے، انسان حرام وحلال میں تمیز کرے، معاش کے لیے حصول کا طریقہ کیا ہو؟ کن طریقوں سے جائز ودرست ہے؟ اور کن طریقوں کو اپنانے سے اسلامی غیرت وحمیت کو ٹھیس پہنچتی ہے؟ انسان کی زندگی کا مقصد اصلی کیا ہے؟ ایک انسان کا دوسرے انسان پر کیا حق ہے؟ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرے؟ لین دین، کاروبار، گھر اور بازار میں کس طرح رہے؟ باپ ہے تو اولاد کی تعلیم وتربیت کی اس پر کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اولاد ہے تو ماں باپ کے اس پر کیا حقوق ہیں؟ شوہر ہے تو بیوی کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ بیوی ہے تو شوہر کے حقوق کا کس طرح پاس ولحاظ کرے؟ حاکم ہے تو محکوم پر کیسی شفقت وعنایت کا معاملہ کرے؟ محکوم ہے تو آقا کے حکموں کی بجا آوری میں کیسا مستعد رہے؟ غرض یہ کہ پورے نظام معاشرت میں اس کا کیا کردار ہو؟ زندگی کے ہر ہر عمل میں اپنے خالق ومالک کی رضا جوئی وخوشنودی کا کیسا خیال رکھے؟

انسانی حقوق کا معاملہ ہو تو جو اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی۔ "لن یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه مایحب لنفسه"۔ دوسروں کے دکھ درد میں کام آئے، محتاجوں اور ضرورتمندوں کی خبر گیری کرے، یہ وہ انسانی قدریں ہیں جن کی دعوت وتبلیغ کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی میں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا راز پنہاں ہے، اُس کی ذات سے، قول وعمل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"۔

انبیاء کرامؑ اس دوسرے ہی پہلو کا شعور بیدار کرنے اور جگ ریت میں بدمست دکھوئے ہوئے انسانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے آتے ہیں کہ جب جب بھی انسان زندگی کے پہلے رُخ پر لگ کر ایمان کے پہلو سے غافل ہوا ہے، دنیا میں بڑا فساد وبگاڑ پیدا ہوا ہے، اور اس کی پاداش میں بڑی بڑی قومیں اور صاحب سطوت وجبروت بادشاہتیں حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹادی گئی ہیں، قرآن کریم نے ایسے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں کہ سجا سجایا ملک چھوڑ کر آن کی آن میں غائب ہوگئے، کسی وصیت وہدایت کا بھی موقع نہ ملا، فرعون ونمرود کا واقعہ سب جانتے ہیں، قوم عاد وثمود جیسی زبردست قوموں کی بربادی کا حال کسے نہیں معلوم کہ منٹوں میں کھجور کے تنوں کی طرح ڈھیر تھے: ﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾۔

دوسرے پہلو کی طرف توجہ دینا، اور انسانوں میں اس کا شعور بیدار کرنا، اب یہ امت مسلمہ کے ذمہ ہے کہ سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد یہی امت دعوت ہے، اگر یہ امت اپنے دعوتی کام کو چھوڑ دوسری قوموں کے ساتھ مادیت کی ریس میں شامل ہو جاتی ہے تو نہ صرف اس کا اپنا وجود وتشخص ختم ہو جائے گا بلکہ دنیا نہایت

ہیبت ناک حالات سے دوچار ہوگی، فکروتشویش کی بات یہ نہیں کہ دنیا میں مادیت کا غلبہ بڑھ گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں اخلاقی انارکی اور افراتفری کا عالم بپا ہے، بلکہ فکروتشویش کی بات یہ ہے کہ جو امت اس عالم کی محاسب ونگراں تھی، وہ بھی اپنا کام چھوڑ کر مادیت کے سیلاب میں بہی چلی جارہی ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر انتہائی اضطرار واضطراب کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ: "اللّٰھم ان تھلك ھذہ العصابة لن تعبد" (اے خدا! اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کردیا تو کبھی تیری عبادت نہ ہوگی) اس بات کا صاف اعلان ہیں کہ اس امت کا وجود قافلۂ انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے لیے ہوا ہے۔

شور ہے کہ مسلمان سارے عالم میں مظلوم ومقہور ہیں، مسلمان قوم اس ظلم وقہر سے نہ مٹی ہے نہ مٹ سکتی ہے، اس کے بقاوفنا کا انحصار اس کے اپنے کیریکٹر و کردار اور تشخص وامتیاز پر ہے، اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ قوم اپنی اصل ذمہ داری یعنی زندگی کے ایمانی پہلو کے تقاضوں کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے ساتھ زندگی کے پہلے رُخ پر پل پڑی ہے، خصوصاً اس کے لیڈر اور سربراہ بری طرح اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اور ہوش وخرد اس حد تک کھوچکے ہیں کہ کچھ سننے سنانے کے لیے تیار نہیں، وہ ہر سودا کرنے کے لیے تیار ہیں، ان کو عہدہ اور منصب ملنا چاہیے۔

امت مسلمہ بہت زخم کھاچکی، اب اس کو بیدار ہونا چاہیے اور اپنی صلاحیتوں کو مقصد اصلی میں استعمال کرنا چاہیے، یہ قوم دشمنوں کے مارنے سے نہ مرے گی بلکہ اپنی اخلاقی اور ایمانی موت سے مرے گی، ہم کو اس کی فکر کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کو اخلاقی اور ایمانی موت سے بچائیں اور ان کے اخلاق وکردار کا معیار اتنا اونچا کریں کہ نظر پڑتے ہی معلوم ہوجائے کہ یہ ٹکسال محمدی کے ڈھلے ہوئے سکے ہیں جن کا کوئی ثانی نہیں، وہی معراج انسانیت ہیں، وہی فلاح دارین کی ضمانت ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

## اے اللہ کے بندو!

مولانا ابوالکلام آزادؒ

☆تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کون سی برائی کی تھی کہ تم نے اسے چھوڑ دیا، اور اسے چھوڑ کے کون سی دولت ونعمت ہے جو تمہیں ہاتھ آگئی؟ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کے وہ اور کون حسین ہے جس کے حسن نے تم کو اللہ سے چھین لیا؟ اور اس سے بڑھ کر کس کے پاس محبت اور پیار ہے جس کی زنجیریں تمہارے پاؤں میں پڑگئیں؟ تم غیروں کے پاس جاتے ہو تاکہ ٹھوکریں کھاؤ، پر اللہ کے پاس نہیں دوڑتے تاکہ وہ تمہیں پیار کرے۔

☆اگر تم محبت کے پیاسے ہو تو "الرحمٰن الرحیم" سے بڑھ کر اور کون ہے جس کی محبت میں اسے چھوڑ رہے ہو؟ اگر تم رزق کے بھوکے ہو تو "رب العالمین" سے بڑھ کر اور کون ہے جس کے خزانوں کی لالچ نے تم کو متوالا کردیا ہے؟ اگر تم اپنی محنت کی مزدوری مانگتے ہو تو "مالك یوم الدین" سے بڑھ کر اور کون مل گیا ہے جو تمہیں بدلہ دے گا۔

☆اگر تم کو اپنا مال ومتاع اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہے کہ اسے نہ دوگے اور اپنی جانوں کو اس کی محبت سے بھی زیادہ پیارا سمجھتے ہو کہ اس کے لیے دکھ میں نہ ڈالوگے اور اگر تمہارے دلوں کی آہیں، تمہارے جگر کی ٹیس اور تمہاری آنکھوں کے آنسو اب اس کے نہیں رہے ہیں، بلکہ دوسروں کا مال ہوگئے ہیں تو یقین کرو کہ وہ بھی تمہارا محتاج نہیں ہے اور اس کی کائنات انسانوں سے بھری پڑی ہے۔

☆وہ اگر چاہے گا تو اپنے کلمۂ حق کی خدمت کے لیے درختوں کو چلادے گا، پہاڑوں کو متحرک کردے گا، کنکروں اور خاک کے ذروں کے اندر سے صدائیں اٹھنے لگیں گی، پر وہ فاسق اور نافرمان انسانوں سے کبھی بھی کام نہ لے گا، اور اپنے پاک کام کی عزت کو ناپاکوں کی گندگی سے کبھی آلودہ نہ ہونے دے گا، اور پھر تم مانو یا نہ مانو، مگر میں نے سچ سچ دیکھا کہ جب تمہارے اندر سے اس کی پکار کو جواب نہ ملا تو وہ دوسروں کو پیار اور محبت کے ہاتھوں سے اشارہ کررہا ہے۔ ☆☆





مثالی حکمراں

# حضرت عمر فاروقؓ کی جامعیت کمالات

علامہ شبلی نعمانی

لیس علی اللّٰہ بمستنکر
أن یجمع العالم في واحد

(اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید کہ تمام عالم ایک فرد میں جمع ہوجائے)۔

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے، ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا، سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا، ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا، بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں، بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم وفضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی، امام ابوحنیفہ بھی تھے اور ابراہیم بن ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو، دنیا میں جس قدر حکمراں گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا، اکبر کو پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کرکام کرتے تھے، عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی، لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا، خالدؓ کی عجیب وغریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہوگیا تھا کہ فتح وظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کردیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ نکل گیا ہے؟ سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہوچلا تھا، وہ بھی الگ کردیے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی، یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کرسکتے تھے لیکن جن سے کام لیتے تھے ان میں کسی کے پابند نہ تھے، وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگادیا، مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کرلیے، دنیا میں کوئی ایسا حکمراں نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہوا، نوشیروان کو زمانہ عدل وانصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے، لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں، بخلاف اسکے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑی تھی، قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا، بخلاف اس کے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی، خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت وسلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا، ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً صوبہ جات واضلاع، انتظام محاصل، صیغۂ عدالت، فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغۂ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہوسکتا تھا؟

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمراں دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں، کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے یہاں پانی بھر آتا ہو، فرش خاک پر پڑا رہتا ہو، بازاروں میں پڑا پھرتا ہو، جہاں جاتا ہو جریدہ وتنہا چلا جاتا ہو، اونٹوں کے

بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو، درودربار نقیب وچاؤش، حشم خدم کے نام سے آشنا نہ ہو اور پھر یہ رعب وداب ہو کہ عرب وعجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو، سکندر وتیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا، عمر فاروقؓ کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو، صحابہؓ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً عبداللہ بن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو، صاف مجتہد ومقلد کا فرق نظر آئے گا، زمانہ بعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین وائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام ابوحنیفہ، شافعی، بخاری، غزالی، رازی لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اس پر اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا وقدر، تعظیم شعائر اللہ، حیثیت نبوت، احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا، احادیث کا درجہ اعتبار، خبر آحاد کی قابلیت احتجاج، احکام خمس وغنیمت، یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں اور ائمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے لیکن انصاف کی نگاہ سے، حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا ان کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص ان کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟ زہد وقناعت، تواضع وانکسار، خاکساری وسادگی، راستی وحق پرستی، صبر ورضا، شکر وتوکل، یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے، لقمان، ابراہیم ادہم، ابوبکر شبلیؒ، معروف کرخیؒ میں ان سے بڑھ کر پائے جاسکتے تھے؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمرؓ کی خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب ختم کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"سینۂ فاروق اعظمؓ را بمنزلۂ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد، در ہر درے صاحب کمالے نشستہ، در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باں ہمہ سلیقۂ ملک گیری وجہاں ستانی وجمع جیوش وبرہم زدن اعداء، ودر در دیگر نوشیروانے باں ہمہ رفق ولین ورعیت پروری وداد گستری (اگرچہ ذکر نوشیروان در مبحث فضائل حضرت فاروقؓ سوء ادب است) ودر در دیگر امام ابوحنیفہؒ یا امام مالکے باں ہمہ قیام بہ علم فتوی واحکام ودر در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجہ بہاء الدین ودر در دیگر محدثے بروزن ابوہریرۃ وابن عمرؓ ودر دیگر حکیم مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فریدالدین عطار، ومردمان گرداگرد ایں خانہ ایستادہ اند، وہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست می نماید وکامیاب می گردد"۔

شبلی نعمانی

مقام کشمیر

۵ر جولائی ۱۸۹۸ء

(الفاروق، ص/۳۸۰-۳۸۳)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی اہم کتاب

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن وجامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص ومحبت، فیض وتاثیر اور معرفت وسلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔

قیمت: ۱۵۰ روپے (بہترین کتابت وطباعت)

**طلباء کے لیے خصوصی رعایت**

مکتبۂ اسلام، رؤف مارکیٹ ۱۴۱ گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

موبائل نمبر: 9559804335





نقطۂ اعتدال

# تبلیغ دین کے لیے ایک اصول

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے، اس کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں، ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت وشکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت وشکل مطلوب ہے، اس کو ہم "منصوص بالوضع" کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہیئت وصورت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، مثلاً ارکان دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتایا، بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں اور خود کر کے بھی دکھلائیں، مثلاً نماز، حج، وضو وغیرہ۔

دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفس شے مطلوب ہے؛ لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر (اور زمانہ کے تغیر اور امت کے لیے وسعت کا خیال کر کے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں، صرف شے بتلا دی کہ یہ مقصود ہے، یہ چیزیں خود منصوص ہیں؛ لیکن ان کی کوئی خاص وضع وہیئت منصوص نہیں، مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم ودین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کو امت تک پہنچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے اگر امت ان کو چھوڑ دے اور بالکل ترک کردے تو وہ گنہگار ہوگی؛ لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں، ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا، بلکہ اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو اس کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا۔

غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے، لباس ساتر ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو، تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام وناجائز مثلاً مردوں کے لئے ریشم نہ ہو، پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں؛ لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع غیر منصوص ہیں، اسی میں امت کے لیے بہت سہولتیں ہیں، ان کو امت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے، مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں، مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لیے شرائط میں نہیں تھے، ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے، الجزائر ومراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی اور پہلی مسجد (بیت اللہ) کا کوئی مینار نہیں۔

اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجیے، اللہ کی طرف اور اسکے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، علانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں، نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کردیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا﴾ (حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی)۔ ﴿ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا﴾ (پھر میں نے خوب پکار کر بھی ان کو بلایا) ﴿ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ (پھر میں نے بالاعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی)۔

لہٰذا دعوتِ دین کا کام کرنے والے ہر فرد وجماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لیے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی وجہد کا جو طرز مناسب اور مفید سمجھے وہ اختیار کرے، اس میں کسی کو جائز اور ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے، جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ ہو جائے، جو شرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لیے مضر ہو۔

بعض عوامی حلقوں میں اس وقت ان دونوں حصوں کو خلط ملط کردیا جاتا ہے، منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازع کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات

حل ہو جائیں گی، سینکڑوں تنازعوں کا سد باب ہو جائے گا اور بہت سی ذہنی الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آ گیا، اس کے بعد صحیح اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا موقع باقی نہیں رہتا، فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کون سی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہے اور کس سے وہ نتائج و مقاصد حاصل ہوتے ہیں، جو اس کام سے مطلوب ہیں؟ دعوت الی اللہ کی مخصوص شکل اور طرز کی افادیت و تاثیر کی وضاحت کی جاسکتی ہے؛ لیکن کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسے احکام قطعیہ اور نصوص قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مسلک اور طرز فکر کے مخالف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے، ہم اپنے مخصوص طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ پر پیش کر سکتے ہیں؛ لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انہوں نے اپنے تجربہ اور مطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور ان کی افادیت واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے اور کتاب وسنت اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لیے ان کے پاس شواہد و دلائل پائے جاتے ہیں، تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی، ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں؛ لیکن ان کی تحقیر و تردید کرنا اور ان کو غلط کار اور گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمت دین اور دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنانے اور امور دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا، دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے، بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث و قرآن سے استنباط کیے جاسکتے ہیں، وہ اصولی طور سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں ملیں گے؛ لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے، یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجرباتی ہیں، ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے، انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجۂ اتم ہوتا ہے، یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں، جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔

اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بناء پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا، اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا، کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء کے لیے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لیے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے، جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا، یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے، اسی طرز فکر کے نتیجے میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے، اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے، پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہیے؛ لیکن اگر کوئی خاص طریقہ ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لیے جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقاصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں؛ لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں، ایسے موقع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا تفقہ فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا کہ ع

گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت و تربیت اور ان کی مساعی جمیلہ کے لیے (جن کی پشت پر تائید ربانی اور ارادۂ الٰہی ہوتا ہے) جہاں مفر اور ایک طرح سے حریف و رقیب کفر، الحاد، غفلت و معصیت ہے جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت





کے برکات اور ان کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتی ہے وہاں ''بے روح رسمیت'' بھی ہے، اول الذکر طاقتیں اگر بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں، جو باہر حملہ آور ہوتا ہے تو یہ اندرونی بیماری ہے جو گھن کی طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی تعلیم و دعوت سے پیدا ہوتی ہے) اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، اس کے نتیجہ میں عقائد بے اثر اور اعمال و عبادت بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں، وہ ایک رسم کی طرح ادا کیے جاتے ہیں، ان میں نفس و ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان کی کیمیا اثری اور انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے، یا بہت کمزور ہو جاتی ہے، یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے مؤثر و صحیح دعوت و ترتیب کے فقدان یا انقطاع کا، یا مؤثر اصلاحی و تربیتی شخصیتوں سے محرومی کا یا ایسے مواقع اور میدانوں کے صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت سے ایمان میں تحریک پیدا ہوتی ہے، دلوں کے زنگ دور ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اسی وقت کوئی دعوت و تحریک (الہام ربانی اور انتظام خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے، جو اس 'رسمیت' پر ضرب لگاتی ہے، دلوں کا زنگ دور کرتی ہے، امت کو صورت سے حقیقت اور 'رسمیت' سے ایمان و احتساب کی کیفیت کی طرف لاتی ہے، اسلام میں تجدید و اصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے مطالعہ سے اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا نشانہ یہی 'رسمیت' تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے اور دیمک کی طرح اس کے سرسبز و شاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے اور امت بعض اوقات ﴿وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ﴾۔ (اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں) کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہیں، وہ ہدایت خداوندی اور کتاب وسنت کے عمیق و مخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریق کار پیش کرتے ہیں، جس سے اس 'رسمیت' کا پنجہ ڈھیلا ہو جاتا ہے، جسم امت میں ایک نئی روح، ایک نئی ایمانی کیفیت، رضاء الٰہی کے حصول کا ایک زندہ و تازہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسکی قوت عمل بڑھ جاتی ہے، اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہونے لگتی ہے اور بعض اوقات قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں اور ایمان کی روح پرور باد بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

خود اس اصلاح و دعوت اور اس طریق کار میں مرور زمانہ سے 'رسمیت' دبے پاؤں داخل ہو جاتی ہے اور جو چیز رسم کو مٹانے اور دل و دماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح، اندرونی جذبہ اور تازگی کھو دیتی ہے اور ایک 'رسم' ضابطہ اور Routine بن کر رہ جاتی ہے اور اسی کو خود ایک نئی اصلاح و دعوت اور ایک طاقتور شخصیت کی ضرورت پیش آجاتی ہے جو اس خواب آلودہ اور لکیر کے فقیر کے نظام اور طریق کار کی اصلاح کرے اور اس میں جو بدعات، مفاسد، غلو اور جمود پیدا ہو گیا ہے، اس کو توڑے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب وسنت سے ماخوذ اور اصول و مقاصد کے مطابق ہو معاشرہ کی 'رسمیت' کو دور کرے ایمان و ایثار اور قوت عمل پیدا کرے۔

اس صورت حال کو سمجھے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ کی حیثیت ہے؛ لیکن اس سے بڑا سبق حاصل کیا جاسکتا ہے، راقم السطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد جلد دیمک لگ جاتی تھی اور قیمتی کتابیں تلف ہو جاتی تھیں، وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں، ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتاب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیمک نہیں لگے گی، انہوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی؛ لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی اس ہڈی میں خود دیمک لگ گئی۔

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد اور ایک مصلح ہوتا ہے، نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی ہدایت حاصل کیے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، اس میں کسی قسم کی مداہنت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے، ہر مجدد اور ہر ربانی

مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے، مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے اثر سے انفاق وایثار کے جذبات پیدا ہوں گے، ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے، تو اس سے تعلق وابستگی خاص طور سے اس میں مؤثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم؛ لیکن کسی مجدد ومصلح کا معاملہ نہیں، خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں؛ لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ بھی جاننی چاہیے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت و تحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کرسکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کرسکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کرسکتی ہے۔

کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے، اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ، ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے، اس حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے مخلص ہیں؛ لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے جس کو اس نے اختیار کیا ہے، حالانکہ عمومی اصلاحی وانقلابی تحریکوں و دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا، وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے، ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو، یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ اس راستہ سے آجائیں، اپنے طریق کار کا مناسب طریقہ سے ان کے سامنے اکثر بیشتر تذکرہ کرتے رہنا چاہیے؛ لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں دین کے دوسرے کاموں اور دینی واصلاحی مساعی کی نفی اور تحقیر ہوتی ہو اور اخلاص سے کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور انہیں مایوسی اور بددلی پیدا ہو، اس طرح امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں تعاون علی البر والتقوی کی روح بیدار ہوگی جو عرصہ سے مفقود ہوچکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں -جب کہ باطل مختلف شکلوں میں اور نت نئے حربوں کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل مِنْ کُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (ہر ٹیلا اور ٹاپو سے ابلے چلے آرہے ہیں)- سخت ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

## مولانا عبدالحنان ندوی رب کریم کے حضور میں

یکم محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶ر نومبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ دار التعلیم والصنعت، کانپور کے مہتمم مولانا عبدالحنان ندوی کا دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے اپنے وطن پورنیہ، بہار میں انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اگلے روز مرحوم کے عم زاد بھائی مولانا مفتی ظفر عالم ندوی نے پڑھائی، اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کیے گئے، جنازہ وتدفین میں اعزاء واقارب کے علاوہ قرب وجوار اور اطراف کے علماء، اہل مدارس اور عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی، ندوہ سے مفتی ظفر عالم ندوی کے ساتھ ان کے برادر نسبتی مولانا سلمان نسیم ندوی بھی شریک ہوئے، پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ ایک نو سالہ لڑکا اور آٹھ لڑکیاں ہیں، باقی تین بھائی اور ایک بہن باحیات ہیں، آبائی وطن پورنیہ بہار کا بسہاری گاؤں ہے۔

مولانا مرحوم مولانا محمد مسلم ندویؒ کے بڑے صاحبزادے تھے، انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے مدرسہ فیض العلوم میں حاصل کی، ۱۹۷۷ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ آئے، یہاں سے ۱۹۸۲ء میں فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد ایک سال مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی خدمت میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں رہ کر علمی وروحانی استفادہ کیا، اس کے بعد دار التعلیم والصنعت بحیثیت مدرس گئے، ایک سال صدر مدرس رہے پھر دو سال بعد مہتمم بنادیے گئے، تعلیم وتربیت اور نظم واہتمام کا فریضہ تقریباً ۲۸ سال تک انجام دیا۔

مولانا گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے، بزرگوں سے بڑا تعلق تھا، مدرسہ کے نظام کو حسن خوبی کے ساتھ چلاتے تھے، ذمہ داروں کو ان پر اعتماد تھا، دار التعلیم اس وقت گئے جب کہ وہ چھوٹا سا ادارہ تھا، انھوں نے ادارہ کو موجودہ حالت تک پہونچانے میں اچھا کردار ادا کیا، اس ادارہ میں آئی ٹی آئی اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک انٹر کالج بھی ہے، مولانا اگرچہ اس کے براہ راست ذمہ دار نہیں تھے لیکن ان کی دیکھ ریکھ اور تعمیر وترقی میں بھی ان کا حصہ رہا، وہ بڑے خاموش طبع، نام ونمود سے دور، مہمان نواز اور متواضع تھے، شرافت اور سادگی ان کی پہچان تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی سے گہرا ربط رکھتے تھے، یہ حضرات ان سے محبت و شفقت فرماتے اور مرحوم نہایت درجہ عقیدت واحترام کا معاملہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ خاص رحمت میں لے لے، جنت الفردوس میں مقام دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین





کاروان ادب

# ادب کی طاقت اور رابطہ ادب اسلامی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

رابطہ ادب اسلامی کو قائم ہوئے ایک عرصہ ہوا، ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت وتحریک پر اس کا قیام عمل میں آیا تھا، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی اس کے اولین صدر قرار پائے تھے اور تاحیات اس کے صدر رہے۔ اصل میں مولاناؒ کے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ اسلام تو زندگی کے سارے شعبوں کا احاطہ کرتا ہے، اور انسان کے جذبات واحساسات کی اس میں پوری رعایت رکھی گئی ہے، اور ادب ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان اپنے خیالات کا اظہار اس طریقہ سے کرسکتا ہے جس سے اس کے احساسات وجذبات کی بھی عکاسی ہوتی ہو، یہی احساس رابطہ ادب اسلامی کے قیام کا محرک بنا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو زبان عطا فرمائی ہے، اور زبان کے جو الفاظ ہیں، وہ جامد اور سپاٹ قسم کے نہیں ہیں، بلکہ یہ اپنے اپنے طرز کی گہرائی اور کیفیات بھی رکھتے ہیں، جن کو سننے والا محسوس کرتا ہے، اور کہنے یا لکھنے والا ان کے لحاظ سے الفاظ کو اختیار کرتا اور ترتیب دیتا ہے، اس طرح جب کہنے والا اس مقصد کا لحاظ کرتے ہوئے بات کہتا ہے تو اس کے الفاظ اس کے جذبات واحساسات کے ترجمان بن جاتے ہیں، اور آدمی ان کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں کے دل میں اتار دیتا ہے، اس طرح سننے والا محسوس کرلیتا ہے کہ کہنے والے کے کیا احساسات ہیں اور کیا اس کے جذبات ہیں؟ اور جب الفاظ وعبارت انسان کے احساسات وجذبات کو بھی ادا کرتے ہوں اور ان میں ان کا عکس جھلکتا ہو تو اسی کا نام ادب ہے۔

**ادب کو ہم نے اسلامی اس لیے کہا تاکہ ہم ادب کو اس چکر سے نکالیں جس چکر میں ادب پڑ گیا ہے، وہ چکر کیا ہے؟ وہ یہ کہ یا تو اسے تفریح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یا حقیر اغراض و مقاصد تک اس کو محدود کردیا گیا ہے، حالانکہ ادب کو انسان کا خادم ہونا چاہیے، انسان کا معاون ہونا چاہیے، انسان کا ہمدرد اور اس کا دوست ہونا چاہیے، ادب کو ہم جب اس طریقہ سے استعمال کریں گے تو ادب بہت بڑا عمل انجام دے سکتا ہے، اور زندگی کو بہت راحت پہونچاسکتا ہے، اور انسان کی مدد کرسکتا ہے، اور اسی ادب کی تقویت کے لیے رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل ہوئی، اور ہم الحمد للہ اس قافلہ کو چلا رہے ہیں، اور ہر سال ایک بڑا سیمینار رکھتے ہیں، اور اس میں کسی ایسے موضوع کو اختیار کرتے ہیں جس پر عام طور پر سیمینار نہیں ہوتے ہیں، اس طریقہ سے ہم یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ادب اتنا بڑا کام انجام دے سکتا ہے، ادب انسان کی اتنی بڑی خدمت انجام دے سکتا ہے، اور وہ اسلام کی رہنمائی میں یہ سارا کام کرسکتا ہے، اس لیے ہم سیمینار کرکے اس کا تعارف کراتے ہیں۔**

ادب کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ محض سپاٹ اور جامد قسم کی عبارت ہو، وہ اپنے اندر اثر انگیزی رکھتا ہے، وہ ایک ایسا فن ہے جس سے انسان کو اپنی بات اور اپنا مافی الضمیر بلکہ اپنے جذبات واحساسات اور تاثرات دوسروں تک پہونچانے میں بڑی مدد ملتی ہے، انسان جذبات اور احساسات کی فطرت رکھتا ہے، وہ کوئی جامد قسم کی مخلوق نہیں ہے، جامد اور سپاٹ قسم کی مخلوق تو جانور کی ہوتی ہے، جانور اپنے احساسات وجذبات کے اظہار کے لیے ایسا ذریعہ نہیں رکھتے کہ وہ باریکی اور تنوع کے ساتھ اپنی کیفیت ظاہر کرسکیں، لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے زبان کا ایسا ذریعہ دیا ہے کہ اس میں صرف بات ہی نہیں بلکہ احساس وجذبہ بھی منتقل کیا جاسکتا ہے، اور اس طریقہ سے انسانی معاشرہ کو بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے، اور اس راہ سے ادب بعض وقت انقلابی اثر پیدا کردیتا ہے۔

ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ادب نے بعض وقت پوری پوری قوم میں انقلاب برپا کردیا ہے اور پورے پورے ملک کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ فرانس کے انقلاب کے متعلق بھی کچھ اسی طرح کی بات کہی جاتی ہے کہ وہاں کے بعض فکری قائدین نے اپنی دلنشیں باتوں اور پُر اثر کلام سے انقلابی اثر ڈالا، اور آپ بعض دوسرے مواقع کو بھی دیکھیں گے کہ ان میں ادب کے ذریعہ بعض وقت بہت بڑی تبدیلی لے آئی گئی ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب آدمی ادب کی اس طاقت کو سمجھے، لیکن اگر

ادب کو صرف ایک کھلونے کے طور پر استعمال کیا جائے کہ اسے صرف لطف ولذت کے دائرے میں محدود کر دیا جائے یا صرف انفرادی رغبت وچاہت سے ہی وابستہ رکھا جائے تو پھر وہ ایک کھلونا ہی بن کے رہ جاتا ہے، اور ہمیں افسوس ہے کہ یہ بات اس زمانہ میں عام ہوگئی ہے کہ ادب کو کھلونا بنا کر رکھا گیا ہے، اور اس کو انسان کے فائدہ کے لیے تو کم اور زیادہ تر انسان کے بگاڑ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ ادب کو عطیۂ الٰہی سمجھنا چاہیے، اور اس کو انسان کے جائز انسانی تقاضوں کے لیے استعمال کرنا چاہیے، لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے۔

ضرورت ہے کہ ادب انسان کے صحیح اور جائز فطری تقاضوں کی خیر خواہانہ ترجمانی کے لیے زیادہ استعمال کیا جائے، تاکہ اس سے انسان کی صحت مندانہ نفسیاتی ضرورتوں کی مناسب ترجمانی ہو، اور اسلام چونکہ زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہے، وہ زندگی کے سارے انسانی پہلوؤں میں مفید رہنمائی کرتا ہے، اور اس کی مدد کرتا ہے، اور انسان ایسی مخلوق ہے کہ اس کے احساسات غم کے بھی ہیں، خوشی کے بھی ہیں، غصہ کے بھی ہیں، نفرت کے بھی ہیں، محبت کے بھی ہیں، انسان ایسی مخلوق ہے کہ اس کے اندر احساسات کا ایک خزانہ ہے، جس میں تاثیر کے مختلف انواع واقسام ہیں، اور انسان انہیں اپنے عکاس صفت اسلوب بیان کے ذریعہ جو اس کی زبان کے اثر سے بنتا ہے، اپنے دل کی بات کو ظاہر کرتا اور واضح کرتا ہے۔

ماں جب محبت اپنی اولاد سے بات کرتی ہے تو اس کے الفاظ کے اندر اس کی محبت جھلکتی ہے، اور اس محبت کی عکاسی ہوتی ہے، اور بیٹا جب اپنی ماں سے کوئی بات کہتا ہے، اپنی کسی تکلیف کا یا ضرورت کا اظہار کرتا ہے تو اس کے الفاظ میں اس کی طلب اور اس کے اندر کی خواہش جھلکتی ہے۔ اسی طرح دوست جب دوست سے بات کرتا ہے، یا استاد شاگرد سے بات کرتا ہے یا شاگرد استاد سے بات کرتا ہے، تو ان تمام موقعوں پر، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی آپ دیکھیں گے کہ آدمی صرف اپنی بات ہی نہیں کہتا بلکہ بات کے ساتھ ساتھ اپنے اندر کے احساس اور کیفیت کی بھی ترجمانی کر لیتا ہے۔

ادب کو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب طاقت کا ذریعہ بنایا ہے، اور یہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر عطا کیا ہے، جو دوسری مخلوقات میں ہم کو نہیں معلوم ہوتی، اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس طاقت سے صحیح کام لیں، اور اس طاقت کو مقصد کے مطابق استعمال کریں، اس کو محض بے نتیجہ لطف ومزہ کے لیے محدود نہ کر دیں، اور یہ بھی خیال رکھیں کہ ہمارا یہ عمل انسانی برادری کے لیے تخریبی نہ ہو، اور نہ سفلی جذبات کی عکاسی کے لیے ہو، جو کہ انسان کی انسانی عزت وشرافت سے جوڑ نہیں رکھتے، بلکہ اعلیٰ انسانی مقصد کے لیے ہو، اور صرف محدود ذاتی لطف کے لیے استعمال کرنا اگرچہ ممنوع نہیں ہے، لیکن یہ بڑی چیز کو چھوٹے مقصد کے لیے استعمال کرنا ہے، اس میں ادب جیسے مفید اور اہم ذریعہ کی ناقدری ہے۔

ادب کی قدردانی یہ ہے کہ ہم اس کو مفید اور بلند سطح کا ذریعہ سمجھیں، اس کے ذریعہ مظلوم کی فریاد کو سن سکیں، اور مظلوم کی دادرسی اگر عملی نہ کر سکتے ہوں تو کم سے کم اپنے الفاظ سے کر سکیں۔ حدیث شریف میں اس کی تلقین آئی ہے کہ اگر کوئی تکلیف میں ہو اور ہم اس کی تکلیف دور نہیں کر سکتے تو کم سے کم الفاظ کے ذریعہ سے اس کو تسکین دیں۔ مریض کو دیکھیے کہ اگر مریض سے ڈاکٹر ہمدردی کی زبان میں بات کرتا ہے تو مریض کا آدھا مرض ختم ہو جاتا ہے، تو یہ کیسے ختم ہوتا ہے؟ وہ طرز کلام کے اثر سے ختم ہوتا ہے، جو اس کی زبان وبیان کے طرز ادا سے حاصل ہوتا ہے۔

اور یہ بات تو چند جملوں کی ہوئی، لیکن مفصل بات کے لیے ادب میں مخاطب کی نفسیات اور صلاحیت فہم کی رعایت کرنا ہوتی ہے، اور موقع ومحل کا خیال کرنا ہوتا ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھیں کہ جس سے ہم بات کر رہے ہیں اس کی نفسیاتی کیفیت کیا ہے، اور اس کیفیت میں اس کے دل کو کیا طرز کلام متوجہ کر سکتا ہے، اور اس کے ذہن کو آسودگی عطا کر سکتا ہے، مثلاً ایک شخص رنج اور افسردگی کی حالت میں ہے، اس سے ہم مسرت اور خوشی کے اظہار کے ساتھ بات کریں تو اس کو وہ بات کڑوی اور ناپسندیدہ معلوم ہوگی، اس کو تو ہمدردی اور تسکین چاہیے، وہ اس وقت تفریح پسندی کے حال میں نہیں ہے۔

انسانی کلام الفاظ کا صرف مجموعہ ہی نہیں ہوتا، وہ اپنے دامن میں خصوصیات بھی رکھتا ہے، ان ہی خصوصیات سے ادب میں کام لیا جاتا ہے، یہ خصوصیات الفاظ کی ترتیب، محاوروں کے استعمال اور موقع کے لحاظ سے مرادفات کے مناسب اور صحیح انتخاب کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں، یہ مرادف الفاظ حقیقت میں مرادفات نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے ہر لفظ اپنی جگہ پر اپنی مخصوص خصوصیت رکھتا ہے، ان میں کیفیت کے ذریعہ سے فرق ہوتا ہے۔ مرادفات کے علاوہ کلام میں تفصیل واختصار کے لحاظ سے فرق اور تکرار کے فن سے بھی فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ ہم جب مہمان کی خاطر کرتے ہیں کہ آیئے تشریف لایئے، اس میں ہم بعض وقت مکرر لفظ استعمال کرتے ہیں کہ آیئے آیئے تشریف لایئے، آیئے تشریف لایئے، یہ جو تکرار ہے، اس تکرار سے کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اگر ہم یہ تکرار نہ کریں، صرف یہ کہیں کہ آیئے تو ظاہر ہے کہ اس کا وہ اثر نہیں ہوگا جو تکرار سے کہنے کا ہوگا، مخاطب کو خیال ہوگا کہ اس کا آنا زیادہ پسند نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کے مواقع پر مرادفات کا استعمال ہوتا ہے، ان میں سے وہ مرادف اختیار کرنا ہوتا ہے جو موقع ومحل کے لحاظ سے زیادہ معنی خیز یا پُر اثر ہے، یہ سب ادب میں طاقت پیدا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو زبان عطا کی ہے اور کلام کی جو صلاحیت دی ہے، اس میں اپنی بات کو سیدھے سیدھے کہنے کی بھی خصوصیت رکھی ہے اور کیفیات اور احساسات کو ادا کرنے کی بھی خصوصیت رکھی ہے، تو اس صورت میں ہمارے بزرگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ادب کی خداداد صلاحیت کو صحیح نہیں استعمال کیا جا رہا ہے، مسلمانوں کو اور خاص طور پر عربوں کو متوجہ کیا کہ اسلام نے ادب کو جو اہمیت دی ہے، اور زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے خیر پسندی کی جس صفت کو اختیار کرنے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے، اس کو اختیار کرنے کی بڑی ضرورت ہے، چنانچہ ندوہ میں اس پر ۱۹۸۱ء میں عالمی سطح پر ایک سیمینار منعقد کیا، اس کے بعد اس کے لیے عالمی انجمن "رابطہ ادب اسلامی" کا قیام عمل میں آیا۔

اس ادارہ کا نام انہوں نے اسلامی اس لیے رکھا کہ اسلام کے متعلق لوگوں کو پوری بات معلوم نہیں ہے کہ اسلام زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہے، وہ انسان کی کیفیات اور احساسات وجذبات کی قدر کرتا ہے، اور اس کا حق ادا کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ اس کا حق ادا ہو، اگر کوئی مظلوم ہے تو اس کے ساتھ ہمدردی ہو، اگر کوئی محتاج ہے تو اس کی مدد کی جائے، تو اس میں ہمیں زبان اختیار کرنی پڑتی ہے، کم سے کم ہم زبان کے ذریعہ اس کے احساسات و جذبات کو محسوس کر سکتے ہیں، اور محسوس کرا سکتے ہیں، تو انہوں نے ادب کو اسلامی اس لیے کہا، کیونکہ اسلام میں زندگی کے سارے شعبے داخل ہیں، اور انسان کے جذبات واحساسات کا بھی اس میں پورا لحاظ ہے، اس لیے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ادب کو اسلامی ادب یعنی انسانی ادب، تعمیری ادب ہونا چاہیے، یعنی وہ ادب جس سے ہم انسان کی خدمت انجام دے سکیں، انسان کے دکھ درد کو دور کر سکیں، انسان کے اندر ہم جذبہ پیدا کر سکیں، انسان کو ہم جانوروں کی زندگی سے اٹھا کر بچی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ مخلوق کی سطح پر لے جا سکیں۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں، اسلام کا ہم نے مطالعہ کیا ہے، قرآن وحدیث کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کے اندر اس کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے انسانوں میں سب سے زیادہ فصیح شمار کیا گیا ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زبان استعمال کی ہے، جو الفاظ استعمال کیے ہیں، ان میں ان سب چیزوں کا لحاظ ہے، اور قرآن مجید میں تو اس کا بہت زیادہ لحاظ کیا گیا ہے، اور انسان کا اور مخاطب کی نفسیات کا لحاظ کیا گیا ہے، اور عربوں کی جو نفسیات تھی، اس کا لحاظ کیا گیا ہے، اسی لیے قرآن مجید کو سن کر لوگ ایک دم فریفتہ ہو جاتے تھے، جو قرآن مجید کو سنتا تھا، وہ فریفتہ ہو جاتا تھا، وہ بالکل بدل جاتا تھا، ٹھیک اس کے دل پر جا کر وہ چیز لگتی تھی، اور اس کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اتنی اچھی بات اتنے اچھے انداز میں انسان نہیں کہہ سکتا، انسان سے بڑی طاقت ہی کہہ سکتی ہے، تو قرآن مجید نے بھی ہماری رہنمائی کی ہے، حدیث شریف نے بھی رہنمائی کی ہے، اسی لیے ہم ادب کو انسان کی ضرورت سمجھتے ہیں، اور انسان کی ضرورت کو اسلام صحیح تسلیم کرتا ہے۔

ادب کو ہم نے اسلامی اس لیے کہا تاکہ ہم ادب کو اس چکر سے نکالیں جس چکر میں ادب پڑ گیا ہے، وہ چکر کیا ہے؟ وہ یہ کہ یا تو اسے تفریح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یا تخریبی اغراض ومقاصد تک اس کو محدود کر دیا گیا ہے، حالانکہ ادب کو انسان کا خادم ہونا چاہیے، انسان کا معاون ہونا چاہیے، انسان کا ہمدرد اور اس کا دوست ہونا چاہیے، ادب کو ہم جب اس طریقہ سے استعمال کریں گے تو ادب بہت بڑا عمل انجام دے سکتا ہے، اور زندگی کو بہت راحت پہونچا سکتا ہے، اور انسان کی مدد کر سکتا ہے، اور اسی ادب کی تقویت کے لیے رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل ہوئی، اور ہم الحمد للہ اس قافلہ کو چلا رہے ہیں، اور ہر سال ایک بڑا سیمینار رکھتے ہیں، اور اس میں کسی ایسے موضوع کو اختیار کرتے ہیں جس پر عام طور پر سیمینار نہیں ہوتے ہیں، اس طریقہ سے ہم یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ادب اتنا بڑا کام انجام دے سکتا ہے، ادب انسان کی اتنی بڑی خدمت انجام دے سکتا ہے، اور وہ اسلام کی رہنمائی میں یہ سارا کام کر سکتا ہے، اس لیے ہم سیمینار کر کے اس کا تعارف کراتے ہیں۔

اور اسلامی ادب تو اس کام کو بہت اچھے طریقہ سے انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اگر ہم اس کو اس زاویہ سے دیکھیں گے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ اسلام نے ادب کے ذریعہ سے بھی کتنا بڑا کام انجام دیا ہے، اسی سلسلہ میں رابطہ کا سیمینار منعقد کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

☆☆☆☆☆

کار نبوت

# تبلیغی دعوت اور مسلمان

مولانا محب اللہ لاری ندویؒ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تعلق تبلیغی دعوت سے اس کے اول دن سے ہے، حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کو ندوۃ العلماء اور اس کے سابق ناظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے جو تعلق تھا، اس کا اندازہ "مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" کتاب سے بخوبی ہوتا ہے۔

۲۷-۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء کو باندہ میں منعقد ہونے والے اجتماع میں حسب معمول دارالعلوم کے طلباء کی ایک جماعت پہونچی، روانگی سے قبل مہتمم دارالعلوم ندۃ العلماء مولانا محب اللہ لاری ندویؒ نے طلبہ سے جمالیہ ہال میں خطاب فرمایا تھا اور ۲۵ر فروری کے شمارہ میں وہ شائع بھی ہوا تھا۔

اب اس مناسبت سے کہ ہتھورا، باندہ ہی میں ۱۵-۱۷ دسمبر ۲۰۱۲ء کو بڑا تبلیغی اجتماع منعقد ہونے جا رہا ہے، مولانا مرحوم کا یہ خطاب طلبائے عزیز کے لیے وصیت کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔ [ادارہ]

عزیزو! تبلیغ کے سلسلہ میں آج مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں، آپ کا خیال ہوگا کہ میں تقریر کروں گا لیکن آپ کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ میں تقریر نہیں کروں گا، کیوں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ تبلیغ کی افادیت واہمیت اور اس کی فضیلت و جامعیت پر اکابر کی ہزاروں تقریریں ہو چکیں، لٹریچر اس قدر تیار ہو چکا ہے کہ کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کو واضح کرنے کی ضرورت ہو، پھر آپ جس اجتماع میں جا رہے ہیں وہاں مزید اکابر کی تقریریں سنیں گے، اس حالت میں ضروری تو نہیں سمجھتا ہوں کہ میں کچھ عرض کروں، لیکن پھر بھی میں کچھ کہوں گا لیکن میرے کہنے کا انداز خطیبانہ نہ ہوگا، گفتگو کا ہوگا، میں اپنی اس گفتگو میں اس کی کوشش کروں گا کہ یہ گفتگو آئینہ کی شکل اختیار کرلے اور اس میں آپ کو نظر آئے کہ سچا مسلمان کیسا ہوتا ہے؟ اور جو موجودہ مسلمان ہیں ان کا کردار کیسا ہے؟ لیکن ایک بڑا خطرہ ہے جو میرے دل میں پیدا ہو رہا ہے، اس خطرہ کو میں ایک آیت کے ذریعہ بیان کروں گا۔

وہ آیت یہ ہے: ﴿وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِذَاھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ (جب صرف اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو منکرین آخرت کے دل اس سے اکتانے لگتے ہیں اور جب غیر اللہ کا تذکرہ ہو تو وہ کھل اٹھتے ہیں)۔

یہ کیفیت قرآن میں ان لوگوں کی بیان کی گئی ہے جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہی حال آج ہم مسلمانوں کا ہے، دین کی بات، اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات کی جائے تو جی نہیں لگتا، جی چاہتا ہے کہ جلد سے جلد یہ باتیں ختم ہوں اور اگر شعر و شاعری ہو، سیاست ہو تو بڑا اچھا لگتا ہے، مثال کے طور پر اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں صاحب کی کسی دینی موضوع پر تقریر ہوگی اور یہ بھی معلوم ہو کہ اسی دن فلاں جگہ مشاعرہ ہوگا تو اس وقت کیا حالت ہوگی، اکثریت مشاعرہ میں شرکت کو ترجیح دے گی اور کوئی شخص تقریر سننے آ بھی جائے تو وہ چاہے گا کہ تقریر جلدی ختم ہو تاکہ وہ بھی مشاعرہ میں شرکت کر سکے۔

میں چاہتا ہوں کہ جتنی دیر آپ یہاں ہوں، غور و فکر کیساتھ میری بات سنیں اور کہیں اس آیت کا مصداق نہ بن جائیں، یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب میں جماعت میں جاتا تھا تو اکثر درس قرآن دینے کا اتفاق ہوتا تو درس میں لوگ ایک دوسرے پر اونگھ اونگھ کر گر پڑتے، تقریروں میں بھی اسی طرح ہوتا ہے، بات کیا ہے؟ یہ بات اس لیے ہے کہ دینی ذوق نہیں، دین سے صحیح لگاؤ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت نہیں، جو ہدایت نامہ قرآن کی صورت میں آیا ہے، اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔

بات میں وہی کہوں گا جو ہر مسلمان جانتا ہے لیکن میں پھر بھی اس کو دوہراؤں گا، آپ کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ تین عقائد میں ہے، اگر ان عقائد پر کسی مسلمان کو کامل یقین نہیں ہے تو اسلام اس کی زندگی میں موجود نہیں ہے، پہلا عقیدہ توحید ہے یعنی اس کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ کو ماننا، اس کا یقین کہ اس پوری کائنات کو تنہا اللہ تعالیٰ چلا تا رہا ہے، وہی سب کا مددگار ہے، وہی سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، وہی ہنساتا ہے، وہی رلاتا ہے، وہی بیمار ڈالتا ہے، وہی شفا دیتا ہے، وہی امیر بناتا ہے، وہی غریب بناتا ہے الغرض دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق نہ ہو۔

اس عقیدہ کو آپ تازہ کرلیں، لیکن کیا واقعی ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ خدا ہی سب کچھ کرتا ہے، کیا اس کا ہم کو یقین ہے؟ ٹھیک اس طرح سے یقین جس طرح کہ آگ پر ہاتھ رکھنے سے جلنے کا اور زہر کھانے سے مرجانے کا ہے، ہرگز نہیں، دونوں یقینوں میں کوئی نسبت نہیں ہے۔

دوسرا عقیدہ جس کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہے، وہ حیات بعد الممات کا ہے، قرآن میں توحید سے کہیں زیادہ قیامت کا ذکر ہے، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا کے بعد کوئی دوسری دنیا بھی ہے جو دائمی ہے، وہاں ہر قول و فعل کا حساب ہوگا، چونکہ وہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی اس لئے اصولاً اس کی فکر دنیا کی ساری فکروں پر غالب رہنا چاہیے۔

تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب نسل انسانی کو اس دنیا میں بنانا چاہا یا پیدا کیا تو اس کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا جس طرح جنگل کے درندے اور پرندے ہیں کہ انسان جو چاہے کرے، نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کو ہدایت نامہ دے کر بھیجا اور ہم کو اس بات کا کامل یقین ہونا چاہیے کہ اس سنہری سلسلہ کی آخری کڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ خود دین لے کر آئے ہیں، وہ ہماری ساری ضروریات و حاجات میں ہمارا رہنما اور رہبر ہے۔

اگر ان تین عقائد پر ہم کو کامل یقین ہے تو اس سے منطقی طور پر تین باتیں لازم آتی ہیں، تین فیصلے آپ کو کرنے ہوں گے، پہلے عقیدہ کے نتیجہ میں آپ عبادت اگر کسی کی کریں گے تو صرف اللہ کی، کچھ مانگا جائے گا تو اسی سے، امیدیں قائم کی جائیں گی تو اسی سے، کسی چیز کی بڑائی کا خیال پھر آپ کو نہ ہوگا اور آپ خود یہ فیصلہ کریں گے کہ اللہ کے احکام پر چلنے اور اس کے دین کی باتیں سیکھنے ہی میں آپ سعادت مند اور کامیاب ہیں۔

دوسرا عقیدہ حیات بعد الممات کا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی ہر شے کی فکر پر آخرت کی فکر غالب ہوگی، دنیا کو اللہ نے آپ کے لیے ہی پیدا کیا ہے، آپ اس سے بقدر ضرورت فائدہ اٹھائیں گے مگر ہر کام کے کرتے وقت آپ یہ سوچیں گے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کا حساب حیات بعد الممات میں ہوگا، فرض کیجیے کہ آپ کو کوئی بڑی پوسٹ مل رہی ہو، لیکن اس کو حاصل کرنے کا طریقہ شریعت کے خلاف ہو تو آپ اس کو قبول نہیں کریں گے، اس منفعت کو آپ نہیں چاہیں گے کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو یاد آجائے گا کہ اس زندگی کے بعد ایک منزل ہے جہاں آپ کو جوابدہ ہونا ہے۔

تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی وہ ذات ہے جس سے ہدایت ملے گی، جس کی تعلیمات آپ کے لیے مشعل راہ ہوگی پھر آپ کسی دوسرے کی طرف نہیں دیکھیں گے، نہ آپ مارکس کی طرف دیکھیں گے اور نہ لینن کی طرف، کسی نظریہ وفلسفہ سے پھر آپ متاثر نہ ہوں گے، اس لیے کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ لے کر آئے ہیں۔

آپ کے سامنے آپ کا آئینہ ہے، اس آئینہ میں آپ کو دیکھنا ہے، آپ کو نظر آئے گا کہ تین عقائد ہیں، تین اس کے اثرات ہیں اور تین ہی قسم کے لوگ بھی ہیں۔

ایک گروہ تو وہ ہے جس کا ان عقائد سے گہرا تعلق ہے، جس کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام بغیر کتاب و سنت کی روشنی کے ہرگز نہیں ہوتا، سیاست ہو دین ہو، خلوت ہو جلوت ہو، سب شریعت کے مطابق اور دین کے تابع ہیں۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو ان عقائد پر یقین تو رکھتا ہے مگر نفس شیطانی مغلوب ہے، اس لیے بعض معاملات میں تو وہ دین کو مانتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اور بعض میں نہیں مانتا۔ کچہری میں ایک ایک شخص ملازم ہے، نماز پڑھتا ہے یعنی عبادت، اللہ کی مانتا ہے مگر رشوت بھی لیتا ہے اور معاملات میں اللہ کی بات نہیں مانتا، ایک لطیفہ یہ ہے کہ ایسے لوگ دیندار بھی کہلاتے ہیں۔

خود اپنے حال کا جائزہ لیجیے، آپ کے نگراں کسی روز فجر کو اٹھانے نہ آئیں، آپ میں سے اکثر کی جماعت قضا ہو جاتی ہے، آپ کہتے ہیں کہ آنکھ نہیں کھلتی، میں کہتا ہوں کہ ممکن نہیں، ممکن نہیں کہ آپ کو خدا پر کامل یقین ہو اور آخرت کا یقین ہو پھر بھی آپ کی آنکھ نہ کھلے، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کو انگاروں پر سلایا جائے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جہنم کی آگ کے ڈر سے مسلمان کی آنکھ بوقت فجر نہ کھلے حالانکہ آپ حدیثوں میں پڑھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب اذان ہوتی تھی تو آپؐ کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ نے کبھی ہم سے بات چیت ہی نہیں فرمائی تھی۔

اور صحابہ کا کیا حال تھا، ان کا جینا مرنا سب حضورؐ کے لیے اور آپ کے لائے ہوئے دین کے لیے تھا، انہوں نے اس کی حفاظت میں اتنی تکلیفیں جھیلیں کہ اس کا دسواں حصہ آپ پر پڑ جائے تو آپ بھاگ کھڑے ہوں گے، آپ خود بتائیے کہ جو شخص فجر کے لیے اپنی نیند، اپنا بستر نہ چھوڑ سکتا ہو، جو اپنی تفریحات اور مرغوبات زندگی نہ چھوڑ سکتا ہو، کیا اس کے بارے میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دین کے لیے جان کی قربانی دے گا؟ اپنا مال لٹائے گا یا اپنی عزت وآبرو کی پرواہ نہ کرے گا؟ ہرگز نہیں!

تیسرا طبقہ وہ ہے جو عملاً ان عقائد سے بالکل دور اور بیگانہ ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ امت کا کتنا بڑا طبقہ اس قسم کا ہے تو اگر بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ نوے فیصد ایسے ہی افراد ہیں، اگر آپ اس طبقہ کے کسی فرد کی زندگی اور کسی غیر مسلم کی زندگی کا جائزہ لیں تو ناموں کے

فرق کے سوا آپ کو اور کوئی فرق نہیں ملے گا، جس طرح ایک غیر مسلم سوتا، کھاتا پیتا اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان بھی آپ کو ملے گا، کوئی مابہ الامتیاز چیز آپ کو دونوں زندگیوں میں قطعاً نظر نہیں آئے گی، وہ تو کہیے کچھ اللہ کا کرم ہے کہ ہندوؤں کو شدھی بنانے کی نہیں سوجھ رہی ہے، اگر خدانخواستہ سوجھ جائے تو کیا ہوگا؟ ان کی ذرا سی محنت سے ایک کثیر تعداد ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور عملاً یہ ہو بھی رہا ہے کہ خود مسلمان تعلیم یافتہ نوجوان اس دین کو پسند نہیں کرتے، ایران میں اس وقت تین تحریکیں چل رہی ہیں، ایک اسلامی تحریک، ایک کمیونسٹوں کی تحریک اور ایک شاہ حامی تحریک، کمیونسٹوں کے دس ہزار افراد مرد و عورت ساتھ ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے جلوس کی شکل میں مارچ کرتے ہوئے اور نعرہ لگاتے ہوئے گزرے کہ:

"ہم کو خدا کی حکومت کی ضرورت نہیں ہے، ہمیں اسلام کی ضرورت نہیں ہے"۔

یہ تو وہاں دس ہزار ہوئے، نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس ملک میں ایسے افراد کتنے ہوں گے، میں جب علی گڑھ میں زیر تعلیم تھا تو میں نے دیکھا کہ علماء کے لڑکے کمیونسٹ ہوگئے تھے، وجہ کیا ہے؟ یہی کہ ان عقائد پر ان کا ایمان متزلزل تھا، اس پر ثابت قدم رہنے کی محنت انہوں نے نہیں کی۔

ان تین عقائد کی محرومی سے امت کو تین ہی نقصان ہوئے ہیں، عقیدۂ توحید کے نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نصرت جو مسلمانوں کے لیے ملتی تھی اور جس کے بارے میں کہا گیا کہ: ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ﴾ یہ نصرت ختم ہوگئی، آج آپ کو ہندوستان میں دوسرے درجہ کے شہری حقوق بھی حاصل نہیں، آپ اقلیت میں ہیں، فسادات ہوتے ہیں تو آپ کو بچانے کے بجائے اور الٹا گھر میں گھس گھس کر مارا جاتا ہے۔

دوسرے عقیدہ حیات بعد الممات پر کامل یقین نہ ہونے کا نقصان یہ ہوا کہ دنیا کی فکر ہر فکر پر غالب آگئی، اور تیسرے عقیدہ کے نہ ہونے کا نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں کو دوسرے نظامہائے حیات اور فلسفوں میں مسائل کا حل نظر آتا ہے۔

تو اس سلسلہ میں کرنے کا کام سب سے پہلے یہ ہے کہ ہر فرد اپنی اصلاح کی کوشش کرے، اپنے آپ کو سدھارنے، اپنے آپ کو شریعت کے مطابق ڈھالے۔

اب آپ سفر پر روانہ ہوں گے، میں چاہتا ہوں اور میری دلی خواہش ہے کہ جب آپ روانہ ہوں تو اپنے آپ کو مجاہد سمجھیں، یہ سمجھیں کہ آپ جہاد پر جارہے ہیں، اس ذوق کے ساتھ، اس شوق کے ساتھ، اس جذبہ کے ساتھ جس طرح مجاہدین جایا کرتے ہیں، آپ یہ محسوس کریں کہ ہمارا یہ سفر حق کے لیے ہے، باطل کو مٹانے کے لیے ہے، حضورؐ کی اتباع کو عام کرنے کے لیے ہے، اگر یہ جذبہ نہیں ہے تو کم از کم میرے نزدیک آپ کا اجتماع میں جانا بے فائدہ ہے، جب آپ سفر پر روانہ ہوں تو یہ صاف محسوس ہو کہ آپ وہ نہیں ہیں جو پہلے تھے، آپ وہ ہیں جو اللہ والے ہیں، آپ وہ ہیں جو حق کے لیے جان دینے والے ہیں، آپ وہ ہیں جو باطل کو خاطر میں لانے والے نہیں ہیں، آپ وہ ہیں جو صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ رات کے اس سفر میں چست ہوں، چاق و چوبند ہوں، چہرے پر تھکن کے آثار تک نہ ہوں، مجاہد جو چھ دن، سات سات دن سرحد پر ہوتا ہے اور نہ کھانا نصیب ہوتا ہے، نہ آرام سے مگر وہ محاذ پر ڈٹا رہتا ہے، آپ کو بھی اسی طرح نفس اور شیطان کے محاذ پر ڈٹے رہنا ہے، آپ کی کلفت و مصیبت کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اس لیے کہ یہ صرف اللہ کے لیے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ جائیں تو آپ کا ماحول خالص دینی و اسلامی ہو، یہ جماعتوں میں جانا کس لیے ہے، مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اتنی اہمیت کس لیے دی، اس لیے کہ موجودہ ماحول بے دینی کا ہے، شراب خانے میں جاکر کوئی شخص اپنی اصلاح کیسے کرسکتا ہے؟ ناچ گھر میں جاکر کسی کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟ اس لیے کوئی شکل نہ تھی تو انہوں نے جماعت کی شکل بنائی کہ یہ جماعت اپنے چوبیس گھنٹوں کو وہ شکل دے جس میں صرف دینی امور ہوں، تعلیم ہوں، درس ہو، نوافل کا اہتمام ہو، ذکر و اذکار ہو، اس کے علاوہ اصل بات وہ ہے جو ایک واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے، کہیں جماعت گئی تھی اور واپسی کے بعد اپنی کامیابی کا تذکرہ کررہی تھی، اس پر مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا کہ اس کا تذکرہ نہ کرو تو وہ ماضی تھا جاچکا، اب مستقبل کی فکر کرو۔

اس کے بعد میں ایک بات اور کہوں گا مگر وہ بات موجودہ ماحول میں مذاق کی چیز بن کر رہ گئی ہے مگر میں اس کو ضرور کہوں گا، وہ یہ کہ آپ اپنے پورے سفر اور قیام میں تسبیحات کی پابندی کریں، ایک تسبیح تو کلمہ طیبہ کی، اس دھیان کے ساتھ کہ آپ اللہ کا نام لے رہے ہیں اور دوسری تسبیح سوم کلمہ کی یعنی "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم"۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اور ہم کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆





فکر معاصر

# اسلام کا خوف، اسباب اور حل

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
ترجمہ: محمد وثیق ندوی

دنیا کے ہر اس حصہ میں جہاں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد ہے، وہ اپنے بنیادی حقوق کے حصول کی کوشش کررہے ہیں، یورپ کے بہت سے ملکوں میں مسلمانوں کی آبادی اب اتنی ہوگئی ہے کہ وہ بھی دوسری کمیونٹیوں، قوموں یا وہاں کے اصل باشندوں کے مساوی حقوق کے حقدار ہوگئے ہیں، لیکن ان ملکوں میں مسلمان اب بھی ان حقوق سے محروم رکھے جارہے ہیں، مدارس، مساجد اور قبرستانوں کی تعمیر میں رکاوٹ پیدا کی جاتی ہے، مردوں کو اسلامی طریقہ پر دفنانے سے روکا جاتا ہے، قریب کی جگہوں میں اذان اور نماز کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے، سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں مسلمان بچوں کے لیے دینیات کا موقع نہیں دیا جاتا، اسی طرح ریڈیو میں خاص مسلمانوں کے لیے پروگرام نشر کرنے کی اجازت نہیں، میڈیا اور تعلیم کے شعبے میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا خیال نہیں رکھا جاتا، حالانکہ ان ملکوں میں ایک طویل مدت سے رہنے کی وجہ سے مسلمان وہاں کی اصل قوم کا جزء بن گئے ہیں، انہیں قومیت حاصل ہے، ملک کی تعمیر و ترقی میں ان کا بڑا حصہ (Contribution) ہے اور پھر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا تعلق وہیں کی قوم سے ہے، یا وہیں ان کی ولادت اور نشو و نما ہوئی ہے، ملک کے ماحول سے ہم آہنگ ہیں، اور ملک کے نظام اور دستور کا پورا پورا خیال اور احترام کرتے ہیں۔

ان ملکوں میں مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بھی مساوات اور برابری کا معاملہ کیا جائے، ان کی سلامتی اور دینی و اسلامی تشخص کی حفاظت اور بقا کا قانون بنایا جائے، ملک کے وفادار شہری کے حقوق دیے جائیں، تاکہ یہ بھی دوسروں کی طرح عزت و شرافت کی زندگی گزاریں، یہ حقوق موجودہ تمدن کی اساس ہیں، اس لیے کہ موجودہ تمدن کی بنیاد انسان کے احترام اور اس کے حقوق کی پاسداری پر ہے، اس میں نسل، عقیدہ، مذہب اور وطنیت و قومیت کی بنیاد پر انسان انسان کے درمیان کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے، اور دنیا کا ہر ملک اس تمدنی اصول کی پابندی کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔

**مسلمانوں سے یہ خوف ونفرت مغربی میڈیا کی دین ہے، جو مسلمانوں کے ہر عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، مغربی میڈیا کے اس معاندانہ رویہ کی وجہ سے قرآنی درسگاہیں، مساجد، دینی مدارس، مذہبی اجتماعات ومذاکرے اور اسلام کی روزافزوں مقبولیت یورپ میں بے چینی کا سبب بن گئے ہیں، اور حکومتوں سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ان کی دینی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے، حالانکہ یہ مذہبی سرگرمیاں ہر شہری کا جائز حق ہیں۔**

متمدن دنیا کے اکثر ملکوں خصوصاً یورپین ملکوں میں مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ وہ قانون کی نظر میں برابر نہیں ہیں، بلکہ ان ملکوں میں کمیونٹیوں اور طبقوں میں تفریق کی جاتی ہے، کوئی اول درجہ کا ہے، تو کوئی دوم درجہ کا ہے اور کوئی سوم درجہ میں آتا ہے، یہ تفریق یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ تعلیم، ملازمت، عدالت اور سیاست میں بھی تفریق کی جاتی ہے۔

بعض ملکوں خصوصاً فرانس، برطانیہ، امریکا اور جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ انتخابات میں حصہ لیتے ہیں، ممبران پارلیمنٹ منتخب ہوتے ہیں، حکومت میں وزارتیں حاصل کرتے ہیں، ان میں تعلیم یافتہ، فنکار، انجینئر اور ماہرین صنعت و حرفت ہیں، جو ملک کی ترقی، معیشت اور خوشحالی میں اہم رول ادا کررہے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود ان ممالک کے قوانین ان کے ساتھ دوہرا سلوک کرتے ہیں، اور انہیں ملک کے باشندہ کی حیثیت سے پورے حقوق حاصل نہیں، اس دستوری امتیاز اور دوہرے سلوک کی وجہ سے مسلمان زندگی کے دھارے سے کٹے ہوئے ہیں اور انہیں اپنا تعلیمی و تربیتی نظام قائم کرنے اور زندگی میں دینی تعلیمات پر عمل کرنے میں دشواریاں پیش آرہی ہیں، بعض ملکوں میں مساجد اور مدارس کی تعمیر میں رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں، بعض ملکوں میں حلال گوشت کی فراہمی مشکل ہے، تو کہیں اسلامی طریقہ کے مطابق مردوں کو دفنانے کا مسئلہ ہے، دوسری طرف اسلام مخالف مغربی میڈیا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائے جارہا ہے، مسلمانوں کی صاف ستھری شبیہ کو بگاڑ رہا ہے، اور ملک کے تئیں ان کی وفاداری کو مشکوک بنا رہا ہے، اس کی وجہ سے سماج میں مسلمانوں کو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے،

ادھر کچھ برسوں سے ایک عجیب ذہنیت بن گئی ہے کہ مسلمانوں کے ہر عمل اور ان کے دینی مطالبہ کو دہشت گردی یا قدامت پرستی اور انتہا پسندی کا نام دیدیا جاتا ہے، حالانکہ ان کا مطالبہ جائز اور قانونی ہے اور ایک فطری انسانی عمل ہے۔

اس کے برخلاف ان ممالک میں دوسروں (یہودیوں اور مجوسیوں) کو ہر طرح کے حقوق حاصل ہیں، اس لیے کہ میڈیا، حکومت اور سرکاری ادارے ان پر مہربان ہیں، اسی سے وجہ ان کے اور اصلی باشندوں کے درمیان وہ عداوت اور نفرت نہیں پائی جاتی جو مسلمانوں سے ہے۔

یورپ میں مسلمانوں سے پایا جانے والا یہ خوف و دہشت اور عداوت و نفرت تاریخ کے پرانے واقعات اور صلیبی جنگوں کی پیداوار ہے، بحث و تحقیق اور علم میں ترقی کے باوجود یورپ ابھی تک اس خوف سے باہر نہیں آسکا ہے، بلکہ جوں جوں اسلامی بیداری اور اسلامی تحریک بڑھ رہی ہے یہ خوف (اسلاموفوبیا) بھی بڑھتا جارہا ہے، جس سے صورت حال مزید سنگین ہوتی جارہی ہے، اور مسلمانوں کے لیے نئی نئی مشکلات پیدا ہورہی ہیں جس کی وجہ سے ان کی ساری توانائیاں اس ذہنیت اور پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں صرف ہورہی ہیں۔

مسلمانوں سے یہ خوف و نفرت مغربی میڈیا کی دین ہے، جو مسلمانوں کے ہر عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، مغربی میڈیا کے اس معاندانہ رویہ کی وجہ سے قرآنی درسگاہیں، مساجد، دینی مدارس، مذہبی اجتماعات و مذاکرے اور اسلام کی روز افزوں مقبولیت یورپ میں بے چینی کا سبب بن گئے ہیں، اور حکومتوں سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ان کی دینی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے، حالانکہ یہ مذہبی سرگرمیاں ہر شہری کا جائز حق ہیں۔

اسی طرح یورپ میں نوجوانوں میں اسلام سے بڑھتا ہوا تعلق و دلچسپی اور اسکولوں اور بازاروں میں اسلامی مظاہر اور شعائر پر عمل ان لوگوں کے دلوں میں شک پیدا کررہا ہے جو نہ تو اسلام کی حقیقت اور اس کی حیات بخش تعلیمات سے واقف ہیں اور نہ دیندار مسلمان کی شخصی خصوصیات سے، اس ذہنیت کے پیچھے وہ یورپین قلمکار ہیں جو سوویت یونین کے سقوط کے بعد سے سرگرم عمل ہیں، یہ نام نہاد قلمکار اسلام اور غیر اسلام کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، حالانکہ مسلمان کے ہر عمل کو اسلام کا پرتو نہیں کہا جاسکتا، اور نہ ہی اسلام پر اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے، اس لیے کہ کبھی کبھی اس کا عمل اسلام کے منافی بھی ہوسکتا ہے اور اس سے ایسے اعمال سرزد ہوسکتے ہیں جن سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور اسلامی تعلیمات اور اسلام کی دعوت سے جوڑ نہیں کھاتے، اور کبھی اس کا اسلام مخالف یہ تاثر یورپین ماحول میں پروان چڑھنے یا یورپین مذاہب یا یورپین تحریکات کے مطالعہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، یا اس کے کسی فوری ردعمل کا نتیجہ ہوتا ہے، اس کا اسلام سے کیا تعلق؟!

یورپین ممالک میں جہاں جمہوری نظام قائم ہے، مسلمانوں کی کوششیں اپنے جائز حقوق کی حصولیابی کے لیے ہیں، نہ کہ ملک پر قبضہ کرنے کے لیے جیسا بعض عناصر تاثر دیتے ہیں کہ یورپ کو اسلامیا یہ جارہا ہے، اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرنا ایک جمہوری حق ہے، اور ہر جمہوری اور تمدنی نظام حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملک کے ہر شہری کو اسکے حقوق دے، اور اس کی سلامتی کو یقینی بنائے، لیکن بعض ترقی یافتہ ملکوں میں صحافیوں، ججوں، ماہرین تعلیم اور منتظمین کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مسلمانوں کے تئیں کشادہ قلبی، رواداری، آزادی اور تہذیبی و تمدنی قدروں کا احترام نہیں ہے۔

ان ملکوں میں مسلمانوں کے مطالبے سول قانون کے دائرہ میں ہیں، قانون اور نظام کی بالادستی کا خیال رکھتے ہوئے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ عزت و شرافت کے ساتھ ایک وفادار شہری کی زندگی گزاریں، ملک کی ترقی میں حصہ لیں اور برادران وطن سے مل کر ایک نئی تاریخ رقم کریں، ایسے کسی مطالبہ اور کوشش کو دہشت گردی یا ملک مخالف سرگرمی کیسے کہا جاسکتا ہے؟۔

یورپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقت کا اعتراف اور احترام کرتا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے بہت سے یورپین ملکوں کو اپنا وطن بنایا، جہاں ان کی کئی کئی نسلیں گزر چکی ہیں، اور ملک کے ماحول سے ہم آہنگ ہیں، لیکن اپنے مخصوص عقیدہ اور تصورِ حیات کی بنا پر وہ خاص رجحانات، تعلیمات اور اصول و مبادی کے حامل ہیں، اور وہ اپنے عقید اور تصور حیات کی روشنی میں زندگی گزارنا اور اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہتے ہیں، اور یہ خواہش اور مطالبہ ملک کے نظام اور وہاں کی زندگی سے ٹکراتا بھی نہیں ہے، اگر یورپ اس حقیقت کو قبول کرلے، مسلمانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرے تو موجودہ دنیا کے لیے ایک عمدہ نمونہ اور تہذیبی قیادت کا ایک اہم عنصر ہوگا اور یورپ اور عالم اسلام کے درمیان مضبوط رشتے استوار ہوں گے، نئی راہیں کھلیں گی، خوف و دہشت کا ماحول ختم ہوگا اور باہمی احترام اور تعاون کا ماحول بنے گا جو وقت کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆





اصلاح معاشرہ

# زبان کا استعمال

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

یہ زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت میں دے رکھی ہے، اس کی قیمت ہمیں ادا نہیں کرنی پڑی اور پیدائش کے وقت سے لے کر موت تک یہ سرکاری مشین چلتی رہتی ہے، لیکن اگر خدانخواستہ یہ نعمت چھن جائے تب اس نعمت کی قدر معلوم ہوگی، یہ کتنی عظیم نعمت ہے، اگر فالج ہو جائے اور زبان بند ہو جائے تو اس وقت یہ حال ہوتا ہے بولنا چاہتے ہیں اور اپنے دل کی بات دوسروں سے کہنا چاہتے ہیں، لیکن زبان نہیں چلتی، اس وقت پتا چلتا ہے کہ یہ گویائی کی طاقت کتنی عظیم نعمت ہے، لیکن ہم لوگ صبح سے لے کر شام تک اس زبان کو قینچی کی طرح چلا رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ زبان سے کیا لفظ نکل رہا ہے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو لو پھر بولو، اگر اس طریقہ پر ہم نے عمل کرلیا تو پھر یہ زبان جو ہمارے لیے جہنم میں جانے کے اسباب پیدا کررہی ہے، ان شاء اللہ جنت میں جانے کے اسباب پیدا کرنے والی اور آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے والی بن جائے گی۔

**تلاوت قرآن کے وقت سلام کرنا**

بعض اوقات انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں زبان سے تکلیف پہنچا رہا ہوں، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں تو ثواب کا کام کررہا ہوں، لیکن حقیقت میں وہ گناہ کا کام کررہا ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے، مثلاً سلام کرنا کتنی بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے، لیکن شریعت نے دوسرے کی تکلیف کا اتنا خیال کیا ہے کہ سلام کرنے کے بھی احکام مقرر فرمادیے کہ ہر وقت سلام کرنا جائز نہیں، بلکہ بعض مواقع پر سلام کرنے پر ثواب کے بجائے گناہ ہوگا، کیوں کہ سلام کے ذریعہ تم نے دوسرے کو تکلیف پہنچائی ہے، مثلاً ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہے، اس کو سلام کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ ایک طرف تو تمہارے سلام کی وجہ سے اس کی تلاوت میں رخنہ ہوگا اور دوسری طرف اس کو تلاوت چھوڑ کر تمہاری طرف مشغول ہونے میں تکلیف ہوگی، اب ایسے وقت کے اندر سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے، اسی طرح اگر لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوں، ان کو مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا جائز نہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے، ان کی زبان پر ذکر جاری ہے، تمہارے سلام کی وجہ سے ان کے ذکر میں خلل واقع ہوگا اور ان کو توجہ ہٹانے میں تکلیف بھی ہوگی۔

**مجلس کے دوران سلام کرنا**

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے لوگوں سے کوئی لمبی بات کررہا ہے اور دوسرے لوگ توجہ سے اس کی بات سن رہے ہیں، اگر چہ وہ دنیاوی باتیں ہوں، اس حالت میں بھی اس مجلس میں جاکر سلام کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ لوگ باتیں سننے میں مصروف تھے، آپ نے سلام کے ذریعہ ان کی باتوں میں خلل ڈال دیا اور جس کی وجہ سے باتوں کے درمیان میں بدمزگی پیدا ہوگئی، اس لیے اس موقع پر سلام کرنا جائز نہیں اس لیے حکم ہے کہ جب تم کسی مجلس میں شرکت کے لیے جاؤ اور وہاں پر بات شروع ہوچکی ہو تو وہاں پر سلام کیے بغیر بیٹھ جاؤ، اس وقت سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے کے مترادف ہوگا، اس

**یہ زبان اللہ تعالیٰ نے اس لیے دی ہے کہ یہ اللہ کا ذکر کرے، یہ زبان سچائی کی باتیں کرے، یہ زبان اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کے دلوں پر مرہم رکھو، یہ زبان اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کو تکلیف پہنچاؤ، یہ نہ ہو کہ عبادت، نماز، روزہ وغیرہ تو کرلیے، لیکن معاشرت، معاملات اور اخلاق میں دین کے احکام کی پرواہ نہ کی، حالاں کہ یہ سب دین کا حصہ ہے۔**

**معاشرت کے اس باب کو ہم نے خاص طور پر چھوڑ دیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کوتاہی سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے اور ہماری فہم کو درست فرمائے اور ہمیں دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔**

سے اندازہ لگایئے کہ شریعت اس بارے میں کتنی حساس ہے کہ دوسرے شخص کو ہماری ذات سے ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

### کھانا کھانے والے کو سلام کرنا

ایک شخص کھانا کھانے میں مشغول ہے، اس وقت اس کو سلام کرنا حرام تو نہیں، البتہ مکروہ ضرور ہے، جبکہ یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہوگی، اب دیکھئے کہ وہ تو کھانا کھانے میں مشغول ہے، نہ تو وہ عبادت کررہا ہے، نہ ذکر کرنے میں مشغول ہے، اگر تم سلام کرلو گے تو اس پر پہاڑ نہیں ٹوٹ پڑے گا، لیکن سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہونے اور اس کو ناگوار ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے اس وقت سلام نہ کرے، اس طرح ایک شخص اپنے کسی کام کے لئے تیزی سے جارہا ہے، آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص بہت جلدی میں ہے، آپ نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کرلیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا، یہ آپ نے اچھا نہیں کیا، اس لیے کہ آپ کو اس کی تیزی سے اندازہ لگانا چاہیے تھا کہ یہ شخص جلدی میں ہے، یہ سلام کرنے اور مصافحہ کرنے کا مناسب وقت نہیں ہے، ایسے وقت میں اس کو سلام نہ کرو، بلکہ اس کو جانے دو، یہ سب باتیں زبان کے ذریعہ تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

### ٹیلی فون پر لمبی بات کرنا

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب ایذا رسانی کا ایک آلہ بھی ایجاد ہوچکا ہے، وہ ہے "ٹیلی فون" یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ جتنا چاہو دوسرے کو تکلیف پہنچادو، چنانچہ آپ نے کسی کو ٹیلی فون کیا اور اس سے لمبی گفتگو شروع کردی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ شخص اس وقت کسی کام کے اندر مصروف ہے، اس کے پاس وقت ہے یا نہیں؟ میرے والد ماجدؒ نے "معارف القرآن" میں یہ بات لکھی ہے کہ ٹیلی فون کرنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کسی سے لمبی بات کرنی ہو تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ مجھے ذرا لمبی بات کرنی ہے، چار پانچ منٹ لگیں گے، اگر آپ اس وقت فارغ ہوں تو ابھی بات کرلوں اور اگر فارغ نہ ہوں تو کوئی مناسب وقت بتادیں، اس وقت بات کرلوں گا، سورۂ نور کی تفسیر میں یہ آداب لکھے ہیں، دیکھ لیا جائے اور خود حضرت والدؒ بھی ان پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

### مسجد کے باہر کے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنا

یا مثلاً آپ کو مسجد کے اندر چند افراد سے کچھ بات کرنی ہے اور ان تک آواز پہنچانے کے لیے مسجد کے اندر کا لاؤڈ اسپیکر بھی کافی ہوسکتا تھا، لیکن آپ نے باہر کا بھی لاؤڈ اسپیکر کھول دیا، جس کے نتیجے میں پورے علاقے اور پورے محلّے کے لوگوں تک آواز پہنچ رہی ہے، اب محلّہ میں کوئی شخص اپنے گھر کے اندر تلاوت کرنا چاہتا ہے یا ذکر کرنا چاہتا ہے یا سونا چاہتا ہے یا کوئی شخص بیمار ہے، وہ آرام کرنا چاہتا ہے، مگر آپ نے زبردستی اپنا وعظ پورے محلّہ والوں پر مسلط کردیا، یہ عمل بھی زبان کے ذریعے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔

### حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے کا ایک واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صاحب مسجد نبوی میں آکر وعظ کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا، اگرچہ اس زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا، مگر وہ صاحب بلند آواز سے وعظ کرتے تھے، ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے اندر پہنچتی تھی، آپ اپنی عبادت، تلاوت، ذکرو اذکار یا دوسرے کاموں میں مشغول ہوتیں اور ان صاحب کی آواز سے آپ کو تکلیف پہونچتی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ یہ ایک صاحب اس طرح میرے حجرہ کے قریب آکر وعظ کرتے ہیں، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے، آپ ان سے کہہ دیں کہ وعظ کسی اور جگہ پر جاکریں یا آہستہ آواز سے کریں، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو بلایا اور ان کو سمجھایا کہ آپ کی آواز سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوتی ہے، آپ اپنا وعظ اس جگہ پر بند کردیں، چنانچہ وہ صاحب رک گئے، مگر وہ صاحب وعظ کے شوقین تھے، چند روز کے بعد دوبارہ وعظ کہنا شروع کردیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ انہوں نے دوبارہ وعظ کہنا شروع کردیا ہے، آپ نے دوبارہ ان کو بلایا اور فرمایا کہ اب میں تم کو آخری مرتبہ منع کررہا ہوں، اب اگر آئندہ مجھے اطلاع ملی کہ تم نے یہاں آکر وعظ کیا ہے تو یہ لکڑی کی چھڑی تمہارے اوپر توڑ دوں گا یعنی اتنا ماروں گا کہ تمہارے اوپر یہ لکڑی ٹوٹ جائے گی۔

### آج ہماری حالت

آج ہم لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، مسجد میں وعظ ہورہا ہے اور سارے محلّہ والوں کو عذاب کے اندر مبتلا کر رکھا ہے، لاؤڈ اسپیکر فل آواز میں کھلا ہوا ہے، محلّہ میں کوئی شخص سو نہیں سکتا، اگر کوئی شخص جاکر منع کرے تو اس کے اوپر طعن و تشنیع شروع ہوجاتی ہے کہ یہ دین کے کام میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے، حالاں کہ اس وعظ کے ذریعہ شریعت کے حکم کو پامال کیا جارہا ہے، دوسروں کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے حتی کہ عالم کے آداب میں یہ لکھا ہے کہ: "ینبغی للعالم ان لا یعد وصوتہ مجلسہ" (عالم کی آواز اس کی مجلس سے دور نہ جائے)۔

یہ سب باتیں زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں، یہ زبان اللہ تعالیٰ نے اس لیے دی ہے کہ یہ اللہ کا ذکر کرے، یہ زبان سچائی کی باتیں کرے، یہ زبان اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کے دلوں پر مرہم رکھو، یہ زبان اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کو تکلیف پہنچاؤ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّةً﴾ [سورۃ البقرۃ] (اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ) یہ نہ ہو کہ عبادت، نماز، روزہ وغیرہ تو کرلئے، لیکن معاشرت، معاملات اور اخلاق میں دین کے احکام کی پرواہ نہ کی، حالاں کہ یہ سب دین کا حصہ ہے۔

معاشرت کے اس باب کو ہم نے خاص طور پر چھوڑ دیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کوتاہی سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے اور ہماری فہم کو درست فرمائے اور ہمیں دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆





## معروف امریکی نومسلم فاضلہ مریم جمیلہ وفات پاگئیں

امریکن نومسلم فاضلہ محترمہ مریم جمیلہ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء کی صبح دل کا دورہ پڑنے سے وفات پاگئیں، ان کی نماز جنازہ اسی دن شام چار بجے سنت نگر لاہور میں حافظ محمد ادریس نے پڑھائی اور مقامی قبرستان میں سپرد خاک ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ نیویارک (امریکہ) کے ایک جرمن نژاد یہودی گھرانے میں ۲۳/مئی ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئیں اور طالب علمی کے زمانے میں ہی مذاہب کے تقابلی مطالعے کے دوران وہ اسلام کے مطالعے کی طرف راغب ہوئیں، انھوں نے اس سلسلہ میں دنیا بھر کے معروف مسلم اسکالروں اور اہل قلم سے رابطے قائم کیے اور مراسلت بھی کی، جن میں بشیر الابراہیمی (الجزائر)، معروف دوالیبی (شام)، سید قطب شہیدؒ، (مصر) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ۱۹۵۹ء میں اس کا آغاز ہوا تھا اور ۲۴/مئی ۱۹۶۱ء کو انہوں نے پورے شرح صدر کے ساتھ نیویارک میں مسجد بروکلین کے امام جناب داؤد فیصل کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا، اور اپنا نام مریم جمیلہ پسند کیا، ۱۹۶۲ء میں نیویارک سے لاہور، پاکستان آگئی، یہاں ان کی شادی جماعت اسلامی کے رکن یوسف خان سے ہوئی، اور پھر وہ یہیں کی ہو کر رہ گئیں یہاں تک کہ مالک حقیقی سے جا ملیں، اللہ تعالیٰ نے اولاد و احفاد کی نعمت سے بھی نوازا۔

عالم اسلام کی ممتاز شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے مرحومہ کا تعارف ان کی بیش قیمت تصنیفات کے ذریعہ ہوا، مراسلات کا سلسلہ بھی رہا، اور پھر لاہور کے سفر جولائی ۱۹۷۸ء (کاروان زندگی ۲:/۱۲۹) میں ملاقات بھی ہوئی، ان کو حضرت مولاناؒ کی تصنیفات سے بڑا فائدہ ہوا جس کا انہوں نے اپنے خطوط میں اظہار بھی کیا، ایک مکتوب میں حضرت مولانا کی شاہکار تصنیف "تاریخ دعوت وعزیمت" کے متعلق مرحومہ نے اپنے تبصرہ وتاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"جولائی ۱۹۷۲ء میں کویت کی نظامت اوقاف کے ذریعہ مجھے آپ کی بیش قیمت تصنیف "تاریخ دعوت وعزیمت" کی پہلی جلد دستیاب ہوئی، اس کتاب نے اسلامی تاریخ کے متعلق میری معلومات میں گرانقدر اضافہ کیا ہے، اور میں اس سے بہت متاثر ہوئی...... میری ناقص رائے میں یہ آپ کی بہترین تصنیف ہے، اور میں اس کے لیے سراپا مدح وستائش ہوں، آپ نے موضوع کی وضاحت کا حق ادا کردیا ہے، اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے، سچ تو یہ ہے کہ میرے نقطۂ نظر سے پوری کتاب بے حد حوصلہ آفریں ہے، اور اس میں اسلامی تاریخ کے صحیح پس منظر میں صائب نظریات پیش کیے گئے ہیں......"

(از مکتوب مریم جمیلہ بنام مصنف کتاب، مورخہ ۱۹/اکتوبر ۱۹۷۲ء)

قابل ذکر ہے کہ ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے مجلات میں مرحومہ نے اپنے مقالات بھیجے جو ترجمہ ہوکر مجلہ "البعث الاسلامی" میں شائع ہوئے، اسی کے ساتھ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ سے ان کی دو کتابیں Islam Versus ahl al Kitab Past and Present اور Ahmad Khalil شائع ہوئیں۔

مریم جمیلہ نے ساری زندگی دین کی اشاعت میں گزار دی، انھوں نے اسلام کے مختلف موضوعات پر ۳۲ کتابیں تصنیف کیں، ان کی کتابوں میں "اسلام ان تھیوری اینڈ پریکٹس" اور "اسلام اینڈ ماڈرن ازم" اور Westem Civilization Condemnd بہت معروف ہیں، قضیہ فلسطین پر بھی مستقل ایک کتاب لکھی، ان کی تمام کتابیں انگریزی زبان میں ہیں، ان میں سے بعض کا ترکی، اردو اور فارسی زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا۔

مریم جمیلہ عظیم خاتون تھیں، جنھوں نے اپنی جستجو سے حق کو تلاش کیا اور پھر پوری زندگی نہ صرف اسلام کے مطابق بسر کی بلکہ اشاعت اسلام کے لیے بھی گراں قدر اور لائق تقلید خدمات انجام دیں، انھوں نے اپنی تصانیف میں اسلام کو صرف علمی کے بجائے عملی مذہب کے طور پر پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی دینی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆☆☆

روشن کرنیں

## اسلام میں

# حدیث شریف اور سیرت پاک کی اہمیت

ڈاکٹر سید کمال اللہ بختیاری ندوی

اسلام میں قرآن کریم کی آیات، حدیث شریف کی روایات اور سیرت پاک کے واقعات اسلام کا معیار اور سرچشمہ ہیں۔ اسلام میں قرآن کریم کے بعد دوسرا ماخذ اور مصدر قانون حدیث شریف اور سیرت پاکؐ ہیں۔ صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور ان کے بعد تاریخ کے ہر دور میں حضرات محدثین ائمہ مجتہدین اور اکابرین سبھوں نے قرآن کریم کے بعد حدیث شریف اور سیرت پاک کو تسلیم کیا ہے اور فہم اسلام کا معیار قرار دیا ہے۔ خلاصۂ کلام حدیث شریف قرآنِ کریم کا جزء لاینفک اور اسلام کا اٹوٹ حصہ ہے۔ اور سیرت پاک قرآنِ کریم کا آئینہ اور انسانیت کے لئے بیش بہا خزانہ ہے۔

قرآنِ کریم علمی شکل ہے اور رسول اکرمؐ اس کے عملی پیکر و نمونہ ہیں۔ آپؐ کی ذات مبارکہ کو کسی قیمت پر بھی قرآنِ کریم سے الگ نہیں کیا جا سکتا اگر خدانخواستہ کوئی حدیثِ شریف اور سیرت پاک کو چھوڑ کر دین سمجھنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے عملی پیکر کو چھوڑ کر بازیچہ اطفال بنانا چاہتا ہے۔ رسول اکرمؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اللہ نے آسمانی کتابوں کو نازل کرنے کے ساتھ ہمیشہ پیغمبروں کو بھیجا ہے جو معلم و مربی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو انسانوں کو تعلیم دیتے ان کی تربیت کرتے اور ان کے لئے ایسا نمونہ قائم کرتے ہیں، جس کے بغیر وہ عملی زندگی میں محض کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بسا اوقات پیغمبروں کو بھیجا گیا اور کوئی نئی کتاب نہیں دی گئی لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کتاب نازل کی گئی ہو اور اس کے ساتھ پیغمبر نہ بھیجا گیا ہو۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی اس آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی پیکر و نمونہ ہونے کا ثبوت ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (وہی اللہ ہے جس نے ان ہی ناخواندہ لوگوں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو اُن پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور کتاب کی تعلیم دیتے اور حکمت و دانائی سکھاتے ہیں اس سے قبل یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے) [الجمعہ/۲]

قرآن کریم کی یہ آیت رسول اکرمؐ کی ذات مبارک کے لئے چار خصوصیات بیان کرتی ہے (۱) قرآنِ کریم کی تلاوت اور پڑھنے کے طریقے کے بارے میں آپؐ کا طریقہ حجت ہے۔ (۲) کتاب اللہ کی تشریح کے بارے میں آپ کی بات حرف آخر ہے (۳) دینی رہنمائی پر مبنی حکمت دیکھنے کے لیے آپ کی ذات واحد سرچشمہ ہے۔ اپنی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کیلئے لوگوں کی عملی تربیت کا فریضہ آپ کو سونپا گیا ہے۔

حدیث شریف اور سیرت پاکؐ کے تعلق سے علامہ سید سلیمان ندویؒ یوں رقم طراز ہیں: ”علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی، یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتی رہتی ہے۔ آیات کا شان نزول اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین، سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح حامل قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اور حیات طیبہ، اور عادات مبارکہ اور آپ کے اقوال و اعمال، اور آپؐ کے سنن و مستحبات، اور احکام و ارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کے بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے موجود و قائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت قائم رہے گا“۔

### حدیث شریف اور سیرت پاک کی اہمیت آیات و روایات کی روشنی میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال قرآن کریم کے قوانین و احکام کے مطابق ہیں؛ حدیث شریف قرآن کریم کی تشریح اور توضیح ہے۔ قرآن کریم نے رسول اکرمؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے۔ ﴿وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی (النساء۔۸۰) اسی طرح





ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ جو اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ جائیگا۔ [احزاب/۳۶] ایک اور آیت میں اس طرح تاکید کی گئی ہے: ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کی اطاعت کریں اور رسول کی اطاعت کریں اگر یہ لوگ گریز اختیار کرتے ہیں تو ان کو بتا دیجئے بے شک اللہ کافروں کو نہ پسند کرتا ہے۔ [آل عمران/۳۲] اس آیت میں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے وہ یہ کہ اطاعت اللہ واطاعت رسول اللہ لازم وملزوم ہیں اس میں کسی کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں رہتا کافروں کے زمرے میں ہو جاتا ہے نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ تمہارے رسول تم کو جو دیں لے لو اور جس چیز سے باز رہنے کی تاکید فرمائیں باز آجاؤ۔ [الحشر/۷] ارشاد رسول اس طرح ہے: ”انی ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ وسنة رسوله“ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم انہیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) اللہ کی کتاب قرآن کریم (۲) اور رسول اکرمؐ کی سنت حدیث شریف [مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة] ایک اور جگہ مقدام بن معدیکربؓ کی روایت میں فرمانِ رسول اس طرح ہے: ”أوتیت الکتاب ومثله معه“ مجھے کتاب قرآنِ کریم دی گئی اور اس کے ساتھ اس کے مثل ایک اور چیز دی گئی یعنی حدیث [ابوداؤد، ابن ماجہ، بحوالہ تاریخ افکار علوم اسلامی ص:۱/۳۷۵] اسی طرح اور ایک روایت میں حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”لا ألفین أحدکم متکیا علی أریکته یاتیه الأمر من أمری مما أمرت به أو نهیت فیقول لا أدری ماوجدنا فی کتاب اللہ اتبعناه“ میں ہرگز نہ پاؤں تم میں سے کسی شخص کو کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کو میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے خواہ میں نے کسی چیز سے منع کیا ہو یا کسی کام کرنے کا حکم دیا ہو اور وہ سن کر کہے کہ میں نہیں جانتا جو کچھ ہم کتاب میں پائیں گے اس کی پیروی کریں گے۔ [ترمذی، ابوداؤد، فی دلائل النبوۃ] عرباض بن ساریہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ خطبہ دیتے کھڑے ہوئے اور اس میں فرمایا: ”أیحسب أحدکم متکیا علی أریکته یظن أن اللہ لم یحرم شیئا الا فی القرآن الاوانی واللہ قد أمرت ووعظت ونهیت عن أشیاء انها لمثل القرآن“ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھ رہا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی ہے سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں بیان کر دی گئی ہیں، خبردار رہو خدا کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں کے کرنے سے روکا ہے وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں۔ [ابوداؤد فی دلائل النبوۃ] حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”فمن رغب عن سنتی فلیس منی“ جو شخص میری سنت سے منہ پھیرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں [بخاری ومسلم]

### احکام میں حدیث شریف اور سیرت پاک کی اہمیت

۱۔قرآن کریم میں اقامت صلوٰۃ کا حکم ہے لیکن اس کی تفصیل نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ نے ہی اپنے قول و عمل سے اقامت الصلوۃ کے معنی متعین کئے نماز کی ہیئت اور نماز کے اوقات مقرر فرمائے۔ اور اسی طرح نماز سے متعلق تمام احکام بتائے ہیں۔

۲۔قرآن کریم میں روزوں کے متعلق اس آیت میں یہ حکم بتایا گیا ہے کہ: ﴿حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سفید دھاگا تمہیں کالے دھاگے سے صاف الگ دکھائی دینے لگے۔ [بقرہ/۱۸۷] آیت کے ظاہری معنی سے حقیقی مفہوم متعین نہیں کیا جا سکتا ہے چنانچہ رسول اکرمؐ نے اس آیت میں جو مراد خداوندی ہے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس سے رات کی سیاہی اور دن کی روشنی مراد ہے۔

۳۔اسی طرح قرآن کریم میں حج فرض بتایا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا ہے کہ زندگی میں کتنی مرتبہ حج کیا جائے اور ارکانِ حج کس طرح انجام دیے جائیں ان سارے اُمور کی تفصیلات رسول اکرمؐ سے ثابت ہیں اور آپ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے اور ارکانِ حج کا آپؐ نے خود عملی نمونہ امت کیلئے چھوڑا ہے۔

۴۔قرآن کی رو سے کھانے پینے کی چیزوں پر حلال و حرام کا اطلاق اجمالاً ہوتا ہے۔ رسول اکرمؐ کے اقوال و اعمال سے احکام متعین ہوتے ہیں کہ کونسی چیزیں حلال و پاک ہیں اور کونسی چیزیں حرام و ناپاک ہیں۔

۵۔اسی طرح قرآن کریم میں سونے چاندی کے جمع کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ [التوبہ/۳۴] اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ بہت

پریشان ہوگئے اور مرادِ خداوندی کو پانا ان کیلئے مشکل ہوگیا تھا۔ رسول اکرمؐ نے اس مسئلہ کو مرضی الٰہی کے مطابق حل کیا اور سونے چاندی کا نصاب سونا ساڑھے سات تولے چاندی ساڑھے باون تولے مقرر فرمایا اس سے زائد رکھنے کی بھی اجازت مرحمت کردی اور اس صورت میں ڈھائی فیصد زکوۃ کی ادائیگی کو شرعی حیثیت دیدی اور وضاحت فرمادی کہ اس صورت میں اس آیت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے۔

۶-اسی طرح قرآن کریم میں دو سگی بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لے آنے سے منع کیا گیا ہے [النساء/۲۳] اس میں اللہ کا منشا یہ ہے کہ معاشرہ میں باہم خلوص و محبت قائم رہے۔ اگر ایک ہی مرد کے نکاح میں دو بہنیں آتی ہیں تو اس صورت میں خلوص و محبت کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ چنانچہ رسول اکرمؐ نے مدعائے خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پھوپی، بھتیجی، خالہ بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں آنے سے منع فرمایا ہے، دو بہنوں کے سلسلے میں جو مصالح تھے وہی مصالح ان رشتوں میں بھی پائے جاتے ہیں اس لئے آپؐ نے ان رشتوں کو بھی بیک وقت نکاح میں لے آنے سے منع فرمایا۔

۷-قرآن کریم میں حرمت رضاعت کے تعلق سے صرف ماں اور بہن کا ذکر آیا ہے۔ [النساء/۲۳] لیکن رسول اکرمؐ نے چند اور خواتین چاہے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں ان کو بھی اسی قانون میں شامل کیا ہے اور واضح فرمادیا ہے کہ ان پر وہی احکام نافذ ہوتے ہیں جو ماں اور بہن پر نافذ ہوتے ہیں۔

۸-قرآن میں اللہ تعالی نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی علت نشہ آور ہونا بتایا ہے رسول اکرمؐ نے مزید یہ وضاحت فرمادی کہ جن چیزوں کی مقدار زیادہ ہونے سے نشہ آتا ہے اگر ان چیزوں کی مقدار کم ہوجائے تب بھی حرام ہے۔ یعنی کچھ چیزیں نشہ آور ہیں لیکن مقدار میں کم ہوجانے سے نشہ نہیں آتا ہے اس کے باوجود ایسی تمام چیزوں کو رسول اکرمؐ نے حرام قرار دیا ہے اور یہی مدعائے خداوندی ہے۔

۹-اسی طرح قرآن کریم نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کیا ہے۔ [مائدہ/۳۸] لیکن قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے اور کتنا کاٹا جائے اس کی تفصیل بھی حدیث شریف سے معلوم ہوتی ہے کہ اتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے اور اتنا کاٹا جائے۔

۱۰-قرآن کریم نے اسی طرح نکاح و طلاق کے مسائل میں زیادہ تر اصول بتائے ہیں جن کی تفصیلات ہمیں احادیث سے حاصل ہوتی ہیں کہ نکاح کے کیا شرائط ہیں، اور نکاح کے ضروری ہونے اور نہ ہونے کے کیا اسباب ہیں۔ بعض حالات میں نکاح واجب ہوجاتا ہے اور بعض حالات میں نکاح کی ممانعت ہے اور ویسے عام حالات میں نکاح اہم سنت ہے اسی طرح طلاق اور نان نفقہ کے مسائل کو قرآن کریم میں مجملاً بتایا گیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلی وضاحت فرمائی ہے کہ طلاق نہایت مجبوری و اضطراری حالت میں ہی دی جاسکتی ہے اور ایسی حالت پیش آجائے تو طلاق کس طرح دینی چاہیے یعنی رجوع ہونے کی صورت ملحوظ رکھنی چاہیے، وغیرہ۔ ان تمام مسائل میں ہمیں رہنمائی صرف سنت سے ملتی ہے۔

## احکام میں رسول اکرم ﷺ کا امتیاز ایک نظر میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ اُحد کے دوسرے دن صحابہ کرامؓ کو کافروں کا پیچھا کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ حملہ نہ کرسکیں صحابہ کرامؓ زخمی حالت میں ہونے کے باوجود تعمیل حکم کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، رسول اکرم کی تائید قرآنِ کریم کی اس آیت میں ہے ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ۔ [آل عمران/۱۷۳] جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کی پکار پر لبیک کہا لڑنے کیلئے تیار ہوگئے جبکہ وہ زخمی حالت میں تھے۔ حالانکہ اس آیت میں کفار کا پیچھا کیا جائے حکم کی وضاحت نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ نے خود حکم دیا تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی جس وحی کی بنیاد پر آپ نے کفار کا پیچھا کرنے کا حکم دیا تھا اسی طرح ایک مرتبہ رسول اکرمؐ نے اپنی بیوی سے کوئی بات راز میں کہی تھی اور انہوں نے اس بات کا ذکر دوسروں سے کردیا تھا تو اللہ نے رسول اکرم کو وحی کے ذریعے اس کی خبر دے دی۔ اس آیت کے حصہ میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔ ﴿قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ [التحریم/۳] جب ان کی بیوی نے پوچھا آپ کو کس نے خبر دی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا مجھے خبر دی علیم و خبیر خدا نے۔ قرآن کی کسی آیت میں بھی نبی اکرم کو خبر دیے جانے کا ذکر نہیں ہے اس واقعے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ رسول اکرم کو دیگر اقسام وحی کے ذریعے مطلع کیا جاتا رہا ہے، اسی طرح اللہ نے رسول اکرم کو تحویل قبلہ یعنی بیت الحرام کو قبلہ بنانے کا حکم دیا اس حکم سے پہلے رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ بیت المقدس کو قبلہ کی حیثیت دیتے تھے اور اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ اس حکم میں اس بات کا ثبوت ہے کہ بیت المقدس کو قبلہ اول کی حیثیت اللہ ہی نے دی تھی: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ عَلَیْھَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ۔ [البقرہ/۱۴۳] جس قبلے پر آپ تھے اسے تو ہم نے ہی اسی لئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول کی اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ قرآن کریم کی کسی آیت میں بھی قبلہ اول کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ثابت نہیں ہے، اس آیت سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اکرم کو قرآن کے علاوہ اللہ کی طرف سے احکام ملتے تھے۔

## سلف صالحین کی نظر میں حدیث شریف اور سیرت پاک کی اہمیت

خلفائے راشدین دیگر صحابہ کرام تابعین عظام حضرات محدثین، ائمہ مجتہدین اور اکابر دین کی رائے میں حدیث شریف اور سیرت پاک آخری سند اور حرف آخر ہیں۔ اور سب نے بالاتفاق کتاب اللہ کی شرح و تفصیل اور اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے حدیث شریف اور سیرت پاک کو تسلیم کیا ہے اور دین کا دوسرا بنیادی ماخذ قرار دیا ہے۔ ان تمام حضرات کرام نے ہمیشہ مسائل کا حل قرآنِ کریم، حدیث شریف، اور سیرت پاک میں تلاش کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بیانات اس طرح ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا تھا: "أطیعونی ما أطعت اللہ و رسولہ فان عصیت اللہ و رسولہ فلا طاعة علیکم" میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کررہا ہوں لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی اختیار کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے۔ [العرب و آدابھم، خلافۃ ابی بکرؓ، دکتور یوسف کوکن العمری]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے جب حضرت عمرؓ کو حجر اسود کا بوسہ دیتے ہوئے دیکھا تھا تو حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اگر میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ [بخاری، باب ماذکر فی الحجر الاسلام۔ رقم الحدیث/۶۳۹۴]

حضرت عثمانؓ نے بھی خلیفہ بننے کے بعد اعلان فرمایا تھا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے پابند ہوں گے اور اپنے پیشرو خلفاء کے نقش قدم پر چلیں گے۔ [تاریخ طبری: ۳/۴۴۶]

حضرت علیؓ بھی جب خلیفہ مقرر ہوئے تو یہی فرمایا تھا چنانچہ جب انہوں نے سرکاری فرمان اہل مصر کو قیس بن سعد بن عبادۃؓ کے ذریعہ روانہ فرمایا تھا تو اس میں لکھا تھا کہ ہم پر تمہارا حق ہے کہ اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کے مطابق عمل کریں۔ [العرب و آدابھم، خلافۃ علی بن ابی طالب]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ عمر ثانی سے ثابت ہے کہ وہ اپنے مکتوب میں ایک شخص کو اس طرح لکھتے ہیں: أوصیك بتقوی اللہ والاقتصاد فی أمرہ واتباع سنة نبیه: میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں، اللہ کا ڈر رکھنے کی اور اس کے امر پر چلنے کی اور اس کے نبیؐ کی سنت کی اتباع کرنے کی۔ [ابوداؤد رقم الحدیث/ ۳۹۹۷، باب لزوم السنة] امام شاطبیؒ فرماتے ہیں فکانت السنة لمنزلة التفسیر و الشرح لمعانی أحکام الکتاب" سنت قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے معانی کی شرح ہے۔ [الموافقات: ۴/۱۵]

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ "علیك بالسنة فانها شارحة للقرآن و موضحة له" تم پر سنت کی پیروی لازم ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی شرح اور اس کی تفسیر ہے۔ [حدیث کا تعارف، ص ۲۶، محمد فاروق خان]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ دونوں فرماتے ہیں "جس کو کوئی فیصلہ کرنا ہو تو وہ کتاب اللہ سے کرے اگر اس میں موجود نہ پائے تو حدیث نبویؐ کے مطابق کرے۔

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں "الطروق مسدودة علی الخلق الا من اقتفی أثر رسول اللہ"۔ رسول اللہؐ کے نقش قدم پر چل کر ہی لوگ خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے سوا تمام راستے بند ہیں۔

ذوالنون مصریؒ کا قول ہے: "من علامات المحب للہ عزوجل متابعة حبیب اللہ فی أحواله و أفعاله و أوامره و سننه" اللہ تعالیٰ کے محبّ کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کے حبیب کی پیروی کرے آپ کے احوال میں بھی اعمال میں بھی اور اوامر میں بھی اور آپ کی سنتوں میں بھی۔

ابن عطارؒ سے اس طرح منقول ہے: "لا مقام أشرف من مقام متابعة الحبیب فی أمره وأفعاله وأخلاقه" کوئی مقام بھی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و اعمال اور اخلاق کی پیروی کے مقام سے برتر نہیں۔

☆☆☆☆☆

فقہ و فتاوی

# سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

**سوال:** عیدالاضحیٰ کے موقع سے بعض اہل مدارس اور انجمنوں کے ذمہ دار قربانی کا اہتمام کراتے ہیں جو جانور قربانی کے لیے لائے جاتے ہیں ان میں بعض مرجاتے ہیں، یہ حضرات ان جانوروں کے چمڑے اتار لیتے ہیں اور گوشت پھینک دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ان چمڑوں کو فروخت کرنا اور ان کی قیمت استعمال کرنا کیسا ہے؟

**جواب:** مردار جانور کے چمڑے دباغت کے بعد فروخت کرنا اور ان کی قیمت استعمال کرنا درست ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہؓ کی ایک بکری مرگئی تھی، لوگوں نے اسے پھینک دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بکری کے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے چمڑے اتار کر تم نے دباغت کیوں نہ دے دی پھر تم اس سے فائدہ اٹھاتے، اس روایت کی بناء پر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مردار کی کھال سے دباغت کے بعد انتفاع اور خرید وفروخت درست ہے، دباغت سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسی کھال فروخت کردی گئی تو اس کی رقم ضرورت مندوں پر صدقہ کرنا لازم ہے۔[ہدایہ:۳/۳۹]

**سوال:** آتش بازی و پٹاخے کی تجارت کرنا کیسا ہے؟ بعض مسلمان پٹاخے کی تجارت کرتے ہیں، کیا شرعاً یہ تجارت درست ہے؟

**جواب:** آتش بازی گناہ کا کام ہے اور فضول خرچی میں شامل ہے، قرآن مجید میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے: ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ [سورہ بنی اسرائیل] اس کی تجارت کرنا گناہ کے کاموں میں مدد کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [سورہ مائدہ] لہٰذا اس طرح کی تجارت سے گریز ضروری ہے۔

**سوال:** بچوں کے کھیل کے لیے جو گڑیاں ہوتی ہیں، ان کی تجارت کرنا اور گڑیوں کو گھروں میں رکھنا، بچوں کو ان کے ذریعہ کھلانا کیسا ہے؟

**جواب:** گڑیوں کی شکل وصورت اگر جاندار کی نہ ہو تو اس کی تجارت میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر جاندار کی شکل وصورت ہو تو اس کی تجارت کرنا اور ان کو گھروں میں رکھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح بچوں کو کھیلنے کے لیے دینا بھی درست نہیں ہے، حدیث میں جاندار کی تصویر رکھنے پر سخت وعید آئی ہے، امام نوویؒ نے اس روایت کی شرح میں یہ وضاحت کی ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا اور اس کی صنعت اور کاریگری حرام ہے، علامہ ابن عابدینؒ کی بھی یہی صراحت ہے۔ [ردالمحتار: ۱/ ۶۴۷، باب مکروہات الصلوٰۃ]

**سوال:** جانوروں کی ہڈیوں کی تجارت درست ہے یا نہیں؟ کیا مذبوح اور مردار جانوروں کی ہڈیوں میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

**جواب:** انسان اور خنزیر کے علاوہ تمام حیوانات کی ہڈیوں کی تجارت درست ہے خواہ مذبوح جانور ہو یا مردار۔[ہدایہ:۳/۳۹]

**سوال:** کوئی مسلمان اپنی لاش گاڑی سے غیر مسلم کی نعش کو اسپتال سے ان کے گھر یا دفن کی جگہ تک اجرت لے کر پہونچائے تو یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**جواب:** انسانی ہمدردی کے پیش نظر اگر ایسا کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ نعش کو ہاتھ لگانے اور اٹھانے سے احتراز کرے۔ [فتاویٰ ہندیہ، کتاب الاجارہ، الباب السادس عشر]

**سوال:** اگربتی اور لوبان جس کو عام طور پر مزارات پر جلاتے ہیں اسی طرح غیر مسلم دیوی دیوتا کے پاس جلاتے ہیں، کیا اس طرح کی اگربتی اور لوبان کی تجارت درست ہے؟

**جواب:** اگربتی اور لوبان کی تجارت درست ہے جو لوگ اس کو خرید کر غلط استعمال کریں گے وہ گنہگار ہوں گے، کیونکہ یہ ان چیزوں میں ہے جن کا استعمال صحیح کاموں میں بھی ہوتا ہے، لوگ مردہ کے کفن میں دھونی دینے کے لیے بھی لوبان جلاتے ہیں، اسی طرح گھروں اور دکانوں میں خوشبو کے لیے بھی اگربتی جلاتے ہیں، البتہ اگر کوئی اس کا استعمال غلط کرے تو استعمال کرنے والا گنہگار ہوگا، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ جو چیز معصیت کے لیے ہو اس کی خرید وفروخت درست نہیں ہے۔ [ردالمحتار:۹/۵۶۱]

**سوال:** جانداروں کی تصویروں فریم کرکے دکانوں پر فروخت کے لیے رکھنا اور اس کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟ بعض مسلمان فلمی ہیرو اور ہیروئن اسی طرح جانداروں کی تصویریں فروخت کرتے ہیں، کیا شرعاً ان کی اجازت ہے؟

**جواب:** جانداروں کی تصویریں رکھنا، ان کو فریم کرکے ان کی خرید وفروخت کرنا ازروئے شرع مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ جو چیز بذات خود معصیت ہو اس کی خرید وفروخت کرنا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ [الدرالمختار علی ردالمختار:۹/۵۶۱]

☆☆☆☆☆





جہان مسلم

# تاجکستان میں اسلام اور مسلمان

پروفیسر محمد اقبال خان

سابق سوویت یونین کی ۱۵ سوویت جمہوری ریاستوں میں چھ آزاد اور خود مختار ملک اقوام متحدہ کے ممبر بن چکے ہیں، ۱۹۹۱ء میں جب سوویت یونین باقاعدہ ٹوٹا تو اس وقت دنیا کا یہ سب سے بڑا خطہ چار بڑے علاقوں (Regions) پر مشتمل تھا، جن میں سب سے بڑا 'سلاد' (Slavian) علاقہ تھا، جس میں موجودہ روسی فیڈریشن کے علاوہ یوکراین، بیلاروس اور مالددوا شامل ہیں۔

سابق سوویت یونین کا دوسرا علاقہ قفقازیا Trans Caucausia کہلاتا ہے، جس میں آرمینیا، جارجیا شامل ہیں، ان ممالک میں مسلمانوں کی ریاستیں موجود ہیں اور سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ان دونوں ممالک میں مسلمانوں کی تعداد ۴ء۴ ملین ہے، اس خطہ کا تیسرا ملک آذربائیجان ہے، جس کی کل آبادی ایک سروے کے مطابق ۹ء۵ ملین ہے، اس کا ۸۰ فی صد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

سابق سوویت یونین کا چوتھا علاقہ وسط ایشیائی ممالک اور قازقستان پر مشتمل ہے، جس میں مجموعی مسلمان آبادی ۸۰ فی صد کے لگ بھگ ہے، یہ تمام مسلمان ممالک ہیں، جن میں ازبکستان، ترکمانستان، کرغیزستان، قازقستان اور تاجکستان شامل ہیں، یہ تمام علاقے ترکی النسل لوگوں سے آباد ہیں، یہاں زبانیں مختلف لہجوں اور الفاظ کے ساتھ ایک جیسی بولی جاتی ہیں، جو رابطے کا ذریعہ بھی ہیں۔ روسی تسلط کے زمانے میں یہاں کی سرکاری زبان روسی تھی، جو اب بھی ان علاقوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان سمجھی اور بولی جاتی ہے، وسطی ایشیا کا یہ علاقہ دنیا کے خوبصورت ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے، یہاں تک کہ پہاڑوں اور وادیوں کا قدرتی حسن، یہاں کے باسیوں کی مہمان نوازی اور رواداری کی اعلیٰ ترین روایات سے اور زیادہ دل کش بن جاتا ہے۔ وسطی ایشیا میں اسلامی تہذیب کا آغاز خلافت راشدہ کے دور ہی سے ہوچکا تھا اور کئی سو برس تک یہ علاقہ علم وفضل کا گہوارہ رہا، اب بھی وسطی ایشیا کے تاریخی مقامات اس کی گواہی دے رہے ہیں، انھیں وسط ایشیائی ممالک میں سے ایک تاجکستان ہے۔

تاجکستان دنیا کی خوب صورت ترین ریاستوں میں سے ایک وسط ایشیائی ریاست ہے، جس کا رقبہ ایک لاکھ ۴۳ ہزار ایک سو مربع کلومیٹر ہے، جس کا تقریباً ۹۳ فی صد علاقہ پہاڑی ہے، جس میں پامیر کے پہاڑ اپنی منفرد حیثیت رکھتے ہیں، اس اسلامی ملک کا دارالخلافۃ "دوشنبے" ہے، جو اپنی عظیم تاریخی ورثے کے ساتھ ساتھ ایک جدید شہر ہے، تاجکستان جسے تاجک لوگ 'دیس' کہتے ہیں، وسط ایشا کے جنوب میں واقع ہے، اس کی سرحدیں شمال مغرب میں ازبکستان، مشرق میں کرغیزستان، جنوب میں افغانستان اور مشرق سرحد کا کچھ حصہ چین سے بھی ملتا ہے، جب کہ پاکستانی گلگت بلتستان کا علاقہ واخان کی پٹی کے ذریعے تاجکستان سے جدا ہوتا ہے، اقوام متحدہ کے ۲۰۰۳ء کے اعداد وشمار کے مطابق اس ملک کی آبادی ۲ء۶ ملین تھی، جب کہ ۲۰۱۰ء میں تاجکستان کی آبادی ۷ء۹۷ ملین ہوچکی ہے، یہاں پر بسنے والی غیر مسلم قومیتوں، مثلاً روسی اور جرمن نسل کے لوگوں میں نمایاں کمی آئی ہے، تاجکستان کی کل آبادی کے ۸۸ فی صد مسلمان ہیں۔

غیر مسلم آبادی میں زیادہ تر روسی، جرمن، یوکراینی اور یہودی دوسری جگہوں سے آکر یہاں آباد ہوئے، جب کہ روس، ازبکستان، قازقستان کرغیزستان، ایران اور افغانستان میں تقریباً ۵۱ لاکھ سے زائد تاجک آباد ہیں، جو مختلف ادوار میں یہاں سے گئے (انسائیکلوپیڈیا ماسکو ۱۹۹۴ء ص/ ۳۱۹-۳۲۰)

تاجکستان وسطی ایشیا کی کم آمدنی والا خطہ ہے: لیکن یہاں کے پہاڑ اور علاقے قدرتی وسائل اور نایاب دھاتوں سے مالامال ہیں، عام لوگوں کی اوسط عمر ۶۴ سال ہے، جب کہ فی کس آمدنی ۷۰۰ امریکی ڈالر ہے۔

تعلیمی لحاظ سے تاجکستان وسطی ایشیا اور روس کے ہم پلہ رہا ہے، اگرچہ تعلیم پر حکومتی اخراجات دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں، اس وقت مجموعی قومی پیداوار (GDP) کا صرف ۳ء۵ فی صد تعلیم پر خرچ کیا جارہا ہے، ۱۹۹۱ء میں تاجکستان میں تعلیم کا تناسب ۱۰۰ فی صد تھا، جو اب گر کر ۹۵ فی صد ہوگیا ہے، ایک سروے کے مطابق دیہاتوں میں ۲۰ فی صد بچیاں ضروری پرائمری تعلیم مکمل نہیں کر پارہی ہیں، تاجکستان کے ذرائع آمدنی محدود ہیں، کل رقبے کا بہت کم حصہ زیر کاشت ہے اور گذشتہ عشرے میں یہاں پر زراعت وصنعت میں قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔

تاریخی اعتبار سے لفظ تاجک مشرقی ایرانیوں کے لیے بولا جاتا ہے، جب کہ بیسویں صدی کے آخری عشرے میں فارسی بولنے والی قوم تاجک کہلانے لگی، جنوبی تاجکستان بظاہر امیر بخارا کے

زیر تسلط رہا ہے جب کہ شمالی تاجکستان ۱۸۶۸ء سے ہی روسی تسلط کا شکار ہو چکا تھا، ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد تاجکوں کی بڑی آبادی قریبی ملک افغانستان ہجرت کر گئی اور پھر ۱۹۲۴ء میں یہ ریاست وسطی ایشیا کی دوسری ریاستوں کی طرح ایک خود مختار سوویت ریاست بن گئی، تاجکستان نسبتاً تاخیر سے سوویت یونین کا حصہ بنا اور باضابطہ سوویت ریاست ۱۹۲۹ء میں بنا۔

**آزادی و خودمختاری**

ایک طویل جدوجہد اور ۱۰۰ دنوں کے مسلسل احتجاج کے نتیجے میں یہ ریاست دوسری وسطی ایشیائی ریاستوں سے بہت پہلے داخلی خودمختاری حاصل کر چکی تھی، جب کہ ۱۹۹۱ء میں یہ باقاعدہ آزاد ملک کی حیثیت اختیار کر گیا، اس دوران اسلامی نہضہ پارٹی نے دوسری اپوزیشن جماعتوں کے ساتھ مل کر حکومت بنالی، جب کہ کمیونسٹ پارٹی نے روسی افواج کی مدد سے خانہ جنگی شروع کر دی، جس کے نتیجے میں لاکھوں تاجک ایک بار پھر ہجرت پر مجبور ہوئے اور پڑوسی ممالک افغانستان، ازبکستان، کرغیزستان اور روس میں منتقل ہو گئے، تقریباً ۸۰ ہزار سے زائد لوگ لقمۂ اجل بن گئے اور ملک شدید افراتفری کا شکار ہو گیا، دو سالہ خانہ جنگی کے نتیجے میں امام علی رحمانوف ۱۹۹۳ء میں تاجکستان کی کرسی صدارت پر قابض ہو گئے اور اگلے چند برسوں میں داخلی خانہ جنگی میں کمی واقع ہو گئی، جب کہ بیش تر مسلمان مجاہدین پہاڑوں میں منتقل ہو گئے یا قریبی ریاستوں میں روپوش ہو گئے، اسلامی پارٹی (نہضہ اسلامی) کو شریک اقتدار کیا گیا اور محدود انتخابات کا انعقاد ہوا، جس میں اسلامی پارٹی کی واضح اکثریت کو کم کر کے امام علی رحمانوف کو بظاہر تقویت دی گئی، حالات پر قابو پانے کے لیے ۱۹۹۶ء اور پھر ۱۹۹۸ء میں نہضہ پارٹی کے ساتھ مذاکرات ہوئے جس کے نتیجے میں اسلامی پارٹی کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں نہ صرف شریک اقتدار کیا گیا بلکہ عام مسلمانوں کو مذہبی رسومات ادا کرنے کی آزادی بھی دی گئی۔

تاہم مسلم جدوجہد کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا، جو گوریلا جنگ کی صورت میں ہمسایہ ریاستوں کے لیے بھی مسلسل تشویش کا باعث رہا۔

تاجکستان بقیہ وسط ایشیائی ریاستوں کے مقابلے میں کم آمدنی اور کم وسائل کا حامل ہے؛ لیکن مغربی قوتوں کی ہمیشہ سے توجہ کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ وسط ایشیائی ریاستوں میں امریکی و برطانوی سفارت خانے سب سے پہلے کسی امیر ریاست مثلاً ازبکستان یا قازقستان میں نہیں بلکہ تاجکستان کے دارالحکومت "دوشنبے" میں کھولے گئے۔

تاجک مسلمان وسطی ایشیا کے راسخ العقیدہ مسلمان سمجھے جاتے ہیں اور کہا جاتا تھا کہ اگر کسی کو اسلام کو اصل حالت میں دیکھنا ہے تو وہ 'کرگان توبے' چلا جائے، ۱۹۷۹ء میں مسلمانوں کی انتہائی مضبوط تنظیم کا باقاعدہ قیام خفیہ طور پر تاجکستان کے چھوٹے سے قصبے "دوشنبے" میں ہوا۔ اس میں دوسری ریاستوں سے بھی لوگ شامل ہوئے، اسی طرح تنظیمی احیاء کے نتیجے میں "اسلامی پارٹی" کی بنیاد ڈالی گئی اس کو کوئی نام نہ دیا گیا اور اس جماعت کے اس وقت کے سربراہ جناب رحمت اللہ (ازبک) کو ایک ٹریفک حادثے میں سوویت یونین کے خفیہ ادارے کے جی بی نے شہید کر دیا، جس کے بعد اس کی قیادت 'کرگان توبے' میں منتقل ہو گئی۔

تاجکستان بدترین روسی تسلط و جبر کے زمانے میں بھی اسلامی شعائر اور اقدار کی پاس داری کرنے والی ریاستوں میں سے ایک رہا، یہاں کا زیر زمین اسلامی تعلیمات کا نظام نہ صرف ارد گرد کی اسلامی ریاستوں کے لیے باعث تقویت اور اسلام کو حقیقی طور پر عوام الناس میں اس کی اصلی حالت میں زندہ رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ رہا ہے، بلکہ سوویت یونین کے دوسرے علاقوں، مثلاً داغستان، روسی تاتارستان اور سائبیریا کے مسلمان بھی تاجکی علماء سے مستفید ہوتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، تاجکستان کے پہاڑی سلسلوں میں اسلامی تعلیمی ادارے جو انتہائی خفیہ مقامات پر قائم کیے گئے تھے، قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیمات کے علاوہ اسلامی تاریخ اور اسلامی دنیا کے حالات سے باخبر رہنے کا ذریعہ بھی رہے۔

تاجکستان کے بیش تر علماء کو عربی زبان، صرف و نحو وغیرہ پر عبور حاصل تھا، یہی وجہ ہے ۱۹۹۱ء کی آزادی کے بعد اچانک یہاں ہزاروں عربی بولنے والے نوجوان موجود تھے اور ہزاروں مساجد کے قیام کے بعد ائمہ حضرات کی ایسی ٹیم موجود تھی، جو وسطی ایشیا کی دوسری ریاستوں کی مساجد کی ضروریات بھی پوری کر رہی تھی، نوجوانوں میں بالخصوص دینی علم کی طلب بڑھتی ہی رہی اور اس کے نتیجے میں تاجکستان کے مسلمانوں کا علمی ورثہ پورے علاقے میں معتبر سمجھا جانے لگا۔

تاجکستان کی روحانی اور علمی شخصیت عبداللہ نوری پورے وسطی ایشیا اور سابق سوویت یونین کے مسلمانوں میں انتہائی مقبول ہیں۔

صدر امام علی رحمانوف نے روسی سامراج کے ساتھ مل کر تحریک کو پورے وسطی ایشیا سے بالعموم اور تاجکستان سے بالخصوص ختم کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے، جن میں ابتدائی کش مکش (۹۳-۱۹۹۰ء) پھر مفاہمت (۹۸-۱۹۹۴ء) جس کے دوران میں سازشوں کا جال بچھایا گیا، یہاں تک کہ ۱۹۹۹ء کے بعد سرد جنگ، باقاعدہ چپقلش اور کھلے عام صدر اور اسلام پسندوں کے درمیان جنگ کی صورت اختیار کر گئی اور بظاہر تحریک اسلامی کے لیے تاجکستان میں کام کرنا ناممکن بنا دیا گیا۔

**موجودہ صورت حال اور کش مکش**

تعلیمی اداروں اور سرکاری دفاتر وغیرہ میں داڑھی اور اسکارف ممنوع ہیں، یہاں تک کہ گذشتہ دنوں نوجوانوں کی مساجد میں ادائیگی نماز اور اسلامی تعلیمات کے حصول کے لیے مساجد میں آنے والوں پر پابندی کا بل پارلیمنٹ سے پاس کروایا گیا، اس طرح بہت ساری مساجد کو بند کر دیا گیا، یہ ایک نیا قانون ہے جو صدر امام علی رحمانوف کی اسلام دشمنی کی واضح مثال ہے، جس میں انھوں نے ان تمام مساجد پر پابند لگا دی ہے، جو ۱۹۹۱ء کے بعد قائم کی گئی تھیں، یاد رہے کہ ۱۹۹۱ء سے قبل سرکاری مساجد کی تعداد بہت کم تھی، دیہاتوں اور قصبوں میں غیر قانونی مساجد بھی موجود تھیں، جب کہ شہروں میں خفیہ مقامات پر گھروں کے اندر مساجد موجود تھیں، اسلامی پارٹی کے بیش تر ارکان یا تو خاموش کر دیے گئے ہیں یا روپوش ہو گئے ہیں، یا تاجکستان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

تاجکستان کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے، یہاں پر اسلامی ثقافت کے گہرے اثرات ہیں اور اسلامی تعلیمات عام ہیں، تاجک علماء اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے ارد گرد کے ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں، اسلامی تحریک بظاہر کمزور ہوتی نظر آتی ہے؛ لیکن فی الواقع اسلامی تحریک دن بہ دن زور پکڑتی جا رہی ہے، افغانستان میں حالیہ امریکی مداخلت نے صدر امام علی رحمانوف کو تقویت دی ہے اور اسلامی جماعت (IRP) کو نقصان پہنچایا ہے، وہ آئے دن اپنے احکامات اور صدارتی فرمانوں کے ذریعے اسلامی شعائر پر پابندیاں عائد کرتے رہتے ہیں، اسلامی جماعت نے آزادی کے آغاز میں صدر امام علی رحمانوف کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق ۲۵ تا ۳۰ فی صد اقتدار میں حصہ آئی آر پی کے لیے مختص کیا گیا، جس پر کبھی بھی عمل نہیں ہوا، پھر صدر جمہوریہ نے نہ صرف فراڈ انتخابات کے ذریعے ۹۸ فی صد ووٹ حاصل کیے (جسے بین الاقوامی ایجنسیوں نے فراڈ انتخابات قرار دیا) بلکہ تحریک اسلامی کو کمزور کرنے کے لیے قریبی ممالک کے رہنماؤں کی مدد حاصل کی اور اسلامی جماعت کو شدید نقصان پہنچایا، یہاں انسانی حقوق کی کھلی کھلی خلاف ورزی ہو رہی ہے؛ لیکن انسانی حقوق کی عالمی اور علاقائی تنظیموں کا تاجکستان میں انسانی حقوق کی زبوں حالی پر بالکل خاموش رہنا بھی معنی خیز ہے، یہاں کے نوجوانوں کی مذہبی لگاؤ کی بنیاد پر گرفتاریاں اور سزائیں بھی عالمی انسانی حقوق کی انجمنوں کی نظروں سے اوجھل ہیں، تاجکستان میں صرف ریاستی میڈیا ہی قانونی حیثیت رکھتا ہے، انسانی حقوق کی کھلے عام پامالی اور اسلامی شعائر پر پابندیوں کے علاوہ عام لوگوں کو اپنے عقائد پر عمل کرنے سے قانوناً روکنا اور پھر ایسے قوانین کے تحت سزائیں دینا عالمی امن اور انسانی حقوق کے علم برداروں کے نزدیک کوئی جرم نہیں ہے۔

تاجکستان کا عام نوجوان جدوجہد سے بھرپور، پر امید زندگی کا خواہش مند ہے، ایک غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے حالیہ سروے کے مطابق مسجدوں میں نوجوانوں کے داخلے کی پابندی کو ۹۶ فی صد نوجوانوں نے مسترد کر دیا ہے اور ۶۵ فیصد نوجوان اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں، ۷۸ فیصد نوجوان اسے صدر امام علی رحمانوف کی حکومت کے خاتمے کا سبب بھی سمجھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

## دعائے مغفرت

☆ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن اور جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم مولانا سید سلمان مظاہری کی والدہ ماجدہ عامرہ خاتون نے گذشتہ دنوں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی عمر ۹۰ سال تھی، وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی حقیقی بھانجی تھیں۔

☆ اسی طرح جون پور کے جناب وکیل احمد انصاری بھی وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی عمر ۸۲ سال تھی لیکن صحت اچھی تھی، معمول کے مطابق رمضان المبارک میں دائرۂ شاہ علم اللہ رائے بریلی کی مسجد میں اعتکاف بھی کیا اور عید الاضحیٰ کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے اعظم گڑھ کے سفر میں ملاقات بھی کی تھی، چند ہی دن گذرے تھے خبر آئی کہ وہ بھی مالک حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم کو ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے بڑا تعلق تھا اور وہ حضرت مولاناؒ سے بیعت تھے پھر ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے تجدید بیعت کی۔

☆ ۴ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۲۰۱۲ء کو نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا عبد القادر غنی ندوی کی اہلیہ ام عبد الرحمٰن کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ دعوت و تبلیغ کی خدمت سے منسلک مشہور تاجر بخش ہاؤس کے مالک حاجی محمد سعید خاں سوداگر کا ۴ر محرم ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۲۰۱۲ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور اہل ندوہ سے بڑا مخلصانہ تعلق تھا۔

☆ محمد فرحان (کھدرا، لکھنؤ) کی والدہ ماجدہ کنیز بانو کا سحر زرنگ ہوم، لکھنؤ میں انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

خبر و نظر

# عالم اسلام

جاوید اختر ندوی

## بلجیم میں اسلام کا پھیلتا دائرہ اور اسلامی پارٹی کے خلاف پروپیگنڈہ

کویت سے شائع ہونے والے ہفت روزہ مشہور مجلہ "المجتمع" میں کہا گیا ہے کہ بلجیم کے ذرائع ابلاغ کی حالیہ رپورٹ کے مطابق ملک میں مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ درج کیا گیا ہے، رپورٹ کے مطابق موجودہ اضافہ کا تناسب ۱۰ فیصد ہے اور اگر یہی رفتار جاری رہی تو ۲۰۳۰ء تک بلجیم میں مسلمانوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت ملک کے دارالحکومت بروکسل میں تجزیہ کاروں کے مطابق ۲۲ فیصد مسلمان آباد ہیں، لیکن ۲۰۳۰ء تک اس تعداد میں ۳۰ فیصد اضافہ ہو جائے گا، جبکہ مجموعی طور پر بلجیم میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد چھ لاکھ ۲۷ ہزار بتلائی جاتی ہے اور ۲۰۳۰ء تک یہی تعداد ایک ملین ایک لاکھ ستر ہزار سے تجاوز کر جائے گی۔

اہل اسلام کی تعداد میں اس قدر تیزی سے اضافہ کی ایک وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں پیدائش کی شرح بہ نسبت دیگر اقوام کے بہت زیادہ ہے، نیز اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں بھی حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے اور تیسری وجہ وہ مہاجرین ہیں جو مختلف عربی اور اسلامی ممالک سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو رہے ہیں۔

"المجتمع" کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ہی یہاں کی سیاسی تنظیموں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، جو اسلامی شریعت ہی کو ہر حال میں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنا چاہتی ہیں، اور اپنے دینی و معاشرتی اور ملکی و بین الاقوامی تمام معاملات میں اسلام ہی کو اپنا رہبر و قائد تسلیم کرتی ہیں اور اسلامی تعلیمات ہی کی روشنی میں اپنی پارٹیوں کے لیے لائحہ عمل اور دستور طے کرتی ہیں۔

ابھی ۱۴؍ اکتوبر کو اس یورپین ملک بلجیم میں ہونے والے مقامی بلدیاتی انتخابات میں ایک نئی تشکیل شدہ پارٹی "حزب الاسلام" کے دو نمائندوں (رضوان امروش، حسین جدلیغ) نے بھاری اکثریت سے دو سیٹوں پر کامیابی حاصل کر لی، اور دارالحکومت میں اس کے تین امیدوار کامیاب نہیں ہو پائے، بلدیاتی انتخاب میں اپنی پہلی کامیابی کے بعد پریس کانفرنس کرتے ہوئے پارٹی کے ذمہ داروں نے برملا یہ بیان دیا کہ ہم حقیقی اسلام کی اتباع کرنے والے ہیں اور جمہوری انداز میں منتخب ہوئے ہیں، لہٰذا اگر ہمیں منتخب کرنے والے بلجیم کے قوانین میں اسلامی شریعت کے قوانین کو داخل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کا یہ مطالبہ برحق تصور کیا جائے گا، اور ان کی خواہش ہے کہ اس یورپین ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ دور کرنے کی کوشش کی جائیں اور یہاں کے باشندوں کو بتایا جائے کہ دین اسلام امن و سلامتی اور خیر خواہی و ہمدردی کا دین ہے، اس نے زندگی کے ہر شعبہ کے لیے لافانی اور حیات بخش تعلیمات دی ہے، اس مذہب میں کسی کے ساتھ ادنیٰ ظلم، زیادتی اور حق تلفی حرام قرار دی گئی ہے اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہاں کے دیگر مذاہب و اقوام کے سامنے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کی صاف و شفاف تصویر پیش کی جائے تاکہ اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے یہاں کے لوگوں میں جو غلط تصورات داخل ہو گئے ہیں، ان کا ازالہ ہو سکے۔

پارٹی کے ذمہ داروں اور نو منتخب نمائندوں کے اس بیان سے مقامی عوام میں بے چینی پیدا ہو گئی چنانچہ بلجیم کی ایک جماعت نے انٹرنیٹ پر یہ تحریک چلائی کہ "حزب الاسلام" پر پابندی عائد کی جائے، کیونکہ یہ پارٹی بلجیم میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے کوشاں ہے، ایک ہفتہ سے بھی کم کی مدت میں دس ہزار سے زائد افراد نے اس تحریک کی تائید میں اپنی حمایت کا اعلان کر دیا۔

یہاں پر یہ بات ذہنوں میں رہے کہ بلجیم یورپ کا ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو رہا ہے اور یہاں کی پارلیمنٹ نے ہمیشہ اسلام مخالف قرداد پاس کرنے کی کوشش کی ہے، ابھی سال گذشتہ جب فرانس نے ملک میں عوامی مقامات اور اسکول و کالج میں حجاب کے استعمال پر پابندی عائد کی تو بلجیم دوسرا ملک تھا جس نے اس کی تائید کرتے ہوئے اپنی اسمبلی میں بھی اس کو پاس کر دیا کہ اس ملک میں بھی مسلم خواتین کو حجاب کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ اب جب کہ جمہوری طور پر مسلمانوں کے نمائندے منتخب ہوئے ہیں تو ان میں سے رضوان امروش نے یہ مطالبہ کیا کہ اس ملک میں مسلمانوں کی ایک قابل لحاظ تعداد پائی جاتی ہے، اس لیے بلجیم معاشرے میں اسلام قوانین کو بھی جگہ دی جائے۔

## جرمنی کی مسجدوں میں گوشہ برائے تعارف اسلام

آج مغربی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں بہت ساری غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، جو عام طور پر دشمنان دین کی پیدا کردہ ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو مسلمانوں سے دوری اور آپسی میل جول اور باہمی تعلقات کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں، چنانچہ ضرورت یہ محسوس کی جا رہی ہے کہ ان ممالک میں ایسے پروگرام، سیمینار اور سمپوزیم منعقد کیے جائیں جن کے ذریعہ برسوں سے یہاں کے باشندوں کے ذہنوں میں بیٹھے توہمات کو دور کیا جائے اور اس طرح مسلمانوں سے ان کا خلا ملا ہو اور وہ قریب سے عملی طور پر اسلامی تعلیمات کا مسلمانوں کی زندگیوں میں مشاہدہ کر سکیں اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ان کے دلوں کی تمام کدورتیں دور ہو جائیں۔

اسی احساس کے پیش نظر مختلف ممالک میں اسلامک سینٹرز قائم کیے جا رہے ہیں، سیمینار اور کارنر میٹنگیں کی جا رہی ہیں تاکہ ہم وطنوں کے دلوں سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ چنانچہ ماہ اکتوبر میں جرمنی بھر کی ایک ہزار سے زائد مسجدوں میں ایک گوشہ برائے تعارف اسلام کا اہتمام کیا گیا جس کے ذریعہ ہر اس شخص کے سامنے اسلام کا تعارف پیش کیا جائے گا جو اسلامی تعلیمات وہدایات اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے واقف ہونا چاہتا ہے اور مسلمانوں سے براہ راست ان کے دین اور تمدن کے سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتا ہے، اس سلسلہ میں جرمنی کی مساجد کمیٹی نے کہا کہ اس کا مقصد اپنے جرمن ہم وطنوں کے سامنے اسلام کا بھرپور تعارف پیش کرنا ہے، ان کے اور ان کے مسلم ہم وطنوں کے مابین دوری کو کم کرنا، غلط فہمیوں کو دور کرنا اور صحیح معلومات بہم پہونچانا ہے۔

اس سلسلہ میں جرمنی کی مساجد کمیٹی مختلف کارنر میٹنگیں، محاضرات، کتاب میلوں کا انعقاد کر رہی ہے، بڑی تعداد میں لوگ آتے اور اسلام کا تعارف حاصل کرتے ہیں اور اس کا عنوان جرمنی کے مسلمانوں نے "دین اسلام، ایک مکمل دین اور مستقل تہذیب" رکھا ہے، اس کمیٹی کا کہنا ہے کہ جرمنی کے عام باشندے اس پر یقین رکھتے ہیں کہ دین اسلام کے علم و فن اور تہذیب و ثقافت کے سلسلہ میں روشن کارنامے انجام ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کمیٹی کے ذمہ داروں نے مزید کہا کہ اسلام ایک مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے، اس کی لازوال تعلیمات میں ہی انسانیت کی بہتری اور خیر خواہی پوشیدہ ہے، اس کے بغیر انسانیت کو سکون و اطمینان نہیں نصیب ہو سکتا، لہٰذا اگر کوئی سکون و چین کا متلاشی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دین اسلام کی آغوش میں آئے اور اس کی نجات بخش اور روح پرور تعلیمات سے اپنے دل کو سکون پہونچائے، اور دنیا و آخرت میں سرخروئی حاصل کرے، اسی وجہ سے کمیٹی نے جرمن باشندوں کے لیے اس پروگرام کا انعقاد کیا، اس طرح کے پروگرام ۱۹۷۹ء اور ۲۰۰۷ء میں بھی منعقد ہو چکے ہیں اور اب کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے ہر سال جرمنی میں یہ پروگرام منعقد کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

## مسلم بچوں میں دینی تعلیم

کہا جاتا ہے کہ بچے مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، اور ان کی ذہنی و نفسیاتی تعمیر میں سب سے زیادہ کردار تعلیم و تربیت کا ہوتا ہے، اور خاص طور پر بچپن میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ دماغ کے نہاں خانوں میں پیوست ہو جاتی ہے، خاص طور پر مسلم بچے اگر شروع ہی سے عصری تعلیم کے حصول میں لگ جاتے ہیں تو ان کو اپنے دین و مذہب پر مکمل اعتماد نہیں پیدا ہو پاتا، اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ کم از کم ہر مسلم بچہ کو دین کی ضروری تعلیم ضرور دے دی جائے تاکہ وہ زندگی کسی موڑ پر اپنے دین کے سلسلہ میں کمزوری کا شکار نہ ہو اور اس کا ایمان متزلزل نہ ہو، اس کے لیے دینی مکاتب اور صباحی و شبینہ تعلیم نہایت مفید ہے۔

ترکی میں مسلم بچوں میں اسلامی شعور بیدار کرنے اور ان کو دین کی بنیادی اور ضروری معلومات سے واقف کرنے کے لیے یہاں کی مساجد کے ائمہ کرام نے ایک ترغیبی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، اس سلسلہ میں خبر ہے ترکی کے ایک شہر نُوربائی کی جامع مسجد کے امام نے مسلمان بچوں میں دینی شعور بیدار کرنے اور انہیں دین کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ کرنے کا ایک دلچسپ طریقہ ایجاد کیا کہ انہوں نے مسجد کی جانب سے چالیس ایام پر مشتمل دینی تعلیمی نصاب کا اعلان کیا ہے جس میں مسلمان بچوں کو وضو، نماز کے علاوہ دیگر اہم دینی معلومات دی جائیں گی، اعلان میں کہا گیا ہے کہ اس نصاب میں پابندی سے شرکت کرنے والوں اور نصاب کے اختتام پر امتحان میں امتیازی نمبرات حاصل کرنے والے بچوں کو قیمتی انعامات دیے جائیں گے، جس میں موٹر سائیکل، کمپیوٹر، جوتے، گھڑیاں اور دیگر اشیاء شامل ہیں، اس نصاب اور انعامات کے اخراجات مقامی کمیونٹی برداشت کر رہی ہے۔

## ایتھوپیائی مسلمانوں کا حکومت مخالف مظاہرہ

ایتھوپیا صومال کے پڑوس میں واقع ایک ایسا ملک ہے جس میں آباد مسلمان ایک طویل عرصے سے عیسائی حکومت کے ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا شکار چلے آ رہے ہیں، تازہ اعداد و شمار کے مطابق ایتھوپیا کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۳۴ فیصد ہے جبکہ عیسائی ۶۳ فیصد ہیں، مسلمانوں کی اس قابل ذکر تعداد کے باوجود ہمیشہ سے مسلمانوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کیا جاتا رہا ہے، چنانچہ حال ہی میں امریکی حکومت کی جانب سے تشکیل کردہ کمیٹی

برائے آزادی دین ومذہب کمیشن کی چیرمین کترینہ لانٹوس نے ایک تفصیلی رپورٹ امریکی حکومت کو روانہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یوں تو مغربی ممالک ایتھوپیا کو افریقی ممالک میں اہم ترین ملک تصور کرتے ہیں مگر اس ملک میں مسلمان اقلیت دینی حریت اور آزادی سے محروم چلی آرہی ہے۔

"المجتمع" کی رپورٹ کے مطابق ماہ نومبر میں جمعہ کی نماز کے بعد اہل اسلام کے دینی اور مذہبی معاملات میں مداخلت کی وجہ سے مسلمانوں نے مظاہرہ کیا، انہوں نے ملک کے دارالحکومت میں واقع ''انوار کبیر'' جامع مسجد کے سامنے حکومت مخالف نعرے لگائے، اس کی وجہ سے حال ہی میں حکومت نے مسلمانوں کے ۲۹ نوجوانوں پر دہشت گردی اور ملک مخالف سرگرمیوں کے الزامات لگائے، جن میں ۱۱۲ افراد مسلمانوں کے نمائندے اور قائدین کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ابھی ماہ جون میں بھی پولیس نے ''مسجد اولیاء'' اور ''مسجد انوار'' کے سامنے اپنے دینی اور مذہبی امور میں حکومت کی دخل اندازی کی مخالفت میں مظاہرہ کرنے والوں میں سیکڑوں افراد کو گرفتار کرلیا تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کی نمائندہ کمیشن نے حکومت کی جانب سے مخالف اسلام اقدامات پر پُرامن مظاہرے ترتیب دیے تھے، اس جرم میں حکومت نے اس مظاہرے میں شریک کئی نوجوانوں کو دہشت گردی کو فروغ دینے کی کوشش کا الزام لگاتے ہوئے گرفتار کرلیا اور ابھی تک وہ زیر حراست ہیں، کمیشن کا کہنا ہے کہ بلاوجہ دہشت گردی کے الزامات اس ملک کے مسلم نوجوانوں میں مزید بے چینی اور عدم اعتماد کو فروغ دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

# رابطہ ادب اسلامی کا سالانہ مذاکرۂ علمی کلکتہ میں

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر کی طرف سے اس کا سہ روزہ سالانہ (۳۱واں) مذاکرۂ علمی مغربی بنگال کے دارالسلطنت کلکتہ میں وہاں کے ایک مؤقر تعلیمی ادارے ''جبریل انٹرنیشنل اسکول زیر انتظام مدرسہ باب العلوم'' کے تعاون سے کلکتہ کے حج ہاؤس, 26D - دلکشا اسٹریٹ، کلکتہ - ۷۰۰۰۱۷ میں مؤرخہ ۲۹، ۳۰ محرم و یکم صفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۴-۱۶ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ تا یکشنبہ منعقد کیا جانا طے کیا گیا ہے، جس کا موضوع ہے:

## ''برصغیر وبلادِ عربیہ کے معاصر شعراء کی شاعری کا تقابلی مطالعہ''

مذاکرۂ علمی کی صدارت عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نائب صدر اور اس کے شعبۂ برصغیر کے صدر محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ فرمائیں گے، مجلس استقبالیہ کے صدر جناب قاری محمد اسماعیل ظفر صدر مدرسہ باب العلوم کلکتہ ہوں گے اور سیمینار کی سرپرستی جناب سلطان احمد سابق وزیر مملکت برائے سیاحت کریں گے۔

| رابطہ کا مستقل پتہ | مقام انعقاد کا پتہ |
|---|---|
| دفتر رابطہ ادب اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ ندوۃ العلماء، لکھنؤ - ۲۲۶۰۰۷ (یوپی)<br>فون وفیکس: 0522-2741221<br>موبائل: 9450644216<br>ای میل: iqbalnadwi@gmail.com<br>rabitaadabeislami@gmail.com | ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی (کنوینر)<br>جبریل انٹرنیشنل اسکول 13/2/6 - مہندررائے لین، کلکتہ - ۷۰۰۰۴۶<br>فون: 033-64581766<br>موبائل: 98315505939831058963<br>ای میل: sabahnadvi@gmail.com<br>rabitaadabkolkata@gmail.com |

### ☆ ذیلی عناوین کی مختصر فہرست

۱- مشرقی ہند کے مسلم شعراء اور ٹیگور، تقابلی مطالعہ فکری خصوصیات کے حوالے سے۔ ۲- برصغیر کے مسلم شعراء کے کلام پر عربی زبان وادب کا اثر۔ ۳- مشرقی ہندوستان کے مسلم شعراء کے کلام شعری پر مقامی رجحانات کا اثر۔ ۴- مشرقی ہند کا صحافتی کام اور اسلامی رجحانات۔ ۵- اردو شعراء کا اپنی شاعری میں قرآن مجید سے استفادہ۔ ۶- اقبال کی شاعری میں فکر وفن کا امتزاج۔ ۷- اقبال اور ٹیگور، ایک موازنہ فکر وفن کے حوالے سے۔ ۸- اقبال اور شوقی، ایک موازنہ فکر وفن کے حوالے سے۔ ۹- اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات۔ ۱۰- ہندوستانی شعراء کی حمدیہ شاعری کی فنی خصوصیات۔ ۱۱- ہندوستانی شعراء کی نعتیہ شاعری کی فنی خصوصیات۔ ۱۲- شاہنامۂ اسلام کی شعری وادبی خصوصیات۔ ۱۳- مسدس حالی کی خصوصیات مقدمۂ شعر وشاعری کی روشنی میں۔

☆☆☆☆




ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید دی جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

ماہ مبارک کی عبادت مبارک مبارک!
روز عید کی مسرت مبارک مبارک!

پروپرائٹر: ولی اللہ
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH Jewellers
ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY
Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

MAQBOOL JEWELLERS
مقبول جویلرس
جوتے والی گلی امین آباد
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Mob.: 9956069081-9919089014
Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید دی جائے گی۔
فردوس کیفے
CAFE FIRDOS
Partly Air Condition
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel.: 23424781 - 23459921
145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

Phone: 0522-3058047
ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties
menmark®
Men's Exclusive
MFG. Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

Postal Regd. No. LW/NP/63/2012TO2014
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Despatch Date, 10-12 / 25-27
Vol. No. 50 Issue No.03

Fortnightly

# TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in

10 December, 2012

نیوشمع کی یونانی دوائیں معیاری دوائیں اچھی صحت کے لیے ہمیشہ کھائیں

**Head Office:** R-4, Khirki Extension Main Road, Near Malviya Nagar, New Delhi-110017 Ph.: +91-11-29542788, 29542530
**Factory:** 310, Patpar Ganj Industrial Area, Delhi-110092 Ph.: +91-11-22169646
E-mail : newshamacosmetics@hotmail.com Login at: www.newshama.com

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

خوشبودار عطریات

: کی ایک قابل اعتماد دوکان :

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ

اظہارسن پرفیومرس

IZHARSON PERFUMERS

Graphix, Lko. Mobile : 7860632916